بس عشق محبت اپنا پن
ازیہ کنول نازی

بس عشق محبت اپنا پن

نازیہ کنول نازی

میں تو سوچ بیٹھا ہوں' تُو بھی سوچ لے جاناں
زندگی کا سودا ہے زندگی کے بدلے میں
تجھ کو دیکھنا کیا تھا' ماند پڑ گئیں آنکھیں'
روشنی گنوائی ہے روشنی کے بدلے میں

راہِ وفا میں اذیت شناسایاں نہ گئیں
کسی بھی رُت میں ہماری اُداسیاں نہ گئیں
تیرے قریب بھی رہ کر' تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بدحواسیاں نہ گئیں

موسم بے حد خوب صورت ہو رہا تھا۔

شام کی ٹھنڈی ٹھنڈی معطر ہوائیں' پورے ماحول میں ایک عجیب ساسحر پھونک رہی تھیں۔

''ہمدانی ہاؤس'' کے سرسبز و شاداب لان میں' گلاب اور موتیا کے خوب صورت پھولوں سے اٹھنے والی مہک نے گویا اردگرد کی ہر چیز کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا' تب ہی وہ اندر اپنے کمرے سے اٹھ کر یہاں لان میں کین کی چیئر پر آ بیٹھی تھی۔ پھولوں' کتابوں اور ٹھنڈی ہواؤں سے اسے بچپن ہی سے بہت پیار رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہمدانی ہاؤس کے شان دار لان میں لہلہانے والے نجانے کتنے ہی پودے' خود اس کے اپنے ہاتھوں کے لگائے ہوئے تھے اور شب و روز ان پودوں کو بڑھتے ہوئے دیکھنا' اسے کتنی خوشی سے ہمکنار کرتا تھا' یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔

اس وقت بھی وہ ہاتھ میں تیز دھار چاقو اور سیب لیے محبت پاش نگاہوں سے اپنے ہرے بھرے لان کو دیکھ رہی تھی' جب لان کے قریب ہی ہمدانی ہاؤس کا گیٹ ہلکے سے وَا ہوا اور پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد کوئی دھیمے دھیمے سے قدموں سے چلتا' اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''ارے سیفی تم...... آؤ پلیز بیٹھو ناں۔'' اپنی محویت سے چونک کر اس نے جونہی آنے والے کی سمت توجہ کی' اپنے سے کچھ ہی فاصلے پر چپ چاپ کھڑے سفیر علی کو دیکھ کر گویا چہک اٹھی' تب ہی وہ اس کے سامنے والی کرسی پر ٹک گیا۔

''کیسی ہیں ایمان جی......؟'' خشک لبوں نے ہلکی سی جنبش کی تھی' جواب میں سیب کی پھانکیں تراشتی ایمان

ہمدانی' دھیرے سے مسکرادی' پھر خاصے اپنائیت بھرے لہجے میں بولی۔

''میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں' تم سناؤ کیسے ہو......؟ اور اتنے دنوں سے نظر کیوں نہیں آئے؟'' اس کے سوال پر گم صم سے سفیر علی نے محض ایک نگاہ اس کی طرف دیکھا' پھر دوبارہ سے نگاہیں جھکا کر بولا۔

''میں شہر میں نہیں تھا' راول پنڈی گیا ہوا تھا' زندگی کے یہ سات دن بہت مصروف گزرے ہیں میرے' لیکن اس مصروفیت سے چھٹکارہ پاتے ہی میں سب سے پہلے آپ سے ملنے آیا ہوں' ایمان جی پرسوں میرا بہت بڑا میوزک کنسرٹ ہورہا ہے' آپ آئیں گی ناں......؟'' کتنی معصومیت' کتنی عاجزی تھی اس کے لہجے میں' لیکن اپنائیت سے مسکراتی ایمان ہمدانی کے گلابی لب فوراً سمٹ گئے' تب ہی وہ نگاہ چراتے ہوئے بولی۔

''سوری سیفی...... میں چاہ کر بھی تمہارے میوزک کنسرٹ میں نہیں آسکتی۔''

''کیوں......؟'' فوراً مچل کر اس نے پوچھا تھا۔

''کیوں کہ مجھے اس کے لیے پرمیشن نہیں ملے گی۔'' نگاہیں جھکا کر اس نے وجہ بیان کی تھی۔

''آپ کے گھر والوں سے میں بات کرلیتا ہوں لیکن اگر آپ وہاں آئیں گی تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

''لیکن وہاں تو تمہارے ہزاروں فین ہوں گے' پھر میرے جانے نہ جانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''فرق پڑتا ہے ایمان جی' بہت فرق پڑتا ہے مجھے۔ میں آپ سے پرامس کرتا ہوں کہ اگر آپ وہاں آئیں گی تو میں کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔''

''تم فضول کی ضد کررہے ہو سیفی' تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے ایسے شور ہنگامے قطعی پسند نہیں۔'' اس کے بے حد اصرار پر وہ قدرے اکتا کر بولی تھی' جواب میں اس کے سامنے بیٹھا وہ گم صم سا لڑکا' مزید اداس ہوگیا' تب ہی ٹھہرے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

''ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ کو شور ہنگامے قطعی پسند نہیں' لیکن میرا جو ''شو'' ہے' وہ پاپ میوزک پر مبنی نہیں ہے' تمام کے تمام گیت ٹریجڈی ہیں' آپ سنیں گی تو آپ کو بہت اچھا لگے گا ایمان جی......''

''لیکن میں ہی کیوں سیفی......؟ میری ہی شرکت پر اتنا اصرار کیوں کررہے ہو تم......؟'' اب کہ اس کے لہجے میں ہلکی سی بے زاری اتر آئی تھی' تب ہی کھوئے کھوئے سے سفیر علی نے اداس سی ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر قدرے دھیمے لہجے میں بولا۔

''یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا کہ میں ہر بار ہی آپ کے نہ آنے کے باوجود آپ کی شرکت کے لیے اتنا بے تاب کیوں ہوجاتا ہوں۔ ہاں مگر...... میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ مجھے آپ سے والہانہ عقیدت ہے' یہ جو آج میرے لبوں سے لوگوں کے دلوں کو چھو لینے والے بول نکلتے ہیں' یہ سب آپ کی میراث ہے کیوں کہ اسی دنیا میں' جب میں دربدر تنہا بھٹک رہا تھا تو آپ ہی نے ہاتھ بڑھا کر مجھے سہارا دیا تھا' جب کوئی میرے آنسو پونچھنے والا نہیں تھا تو آپ ہی کے کندھے پر سر رکھ کر پہروں رویا تھا میں' جب دنیا میں کوئی میری ذات سے آشنا نہیں تھا تو آپ ہی نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے ان لوگوں سے متعارف کروایا تھا' میرا ہنسنا رونا' سونا جاگنا' سب آپ کا ہی مرہونِ منت ہے ایمان جی' اس لیے میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ خدا کے بعد اگر میں کسی کی پرستش کرتا ہوں تو وہ صرف اور صرف آپ کا وجود ہے' اگر آپ نہیں ہیں تو میرے لیے اس دنیا میں' کہیں کچھ بھی نہیں ہے ایمان جی۔'' بولتے بولتے وہ اتنا جذباتی ہوگیا تھا کہ سنجیدہ سی ایمان ہمدانی ٹکر ٹکر حیرت سے اسے بس دیکھتی رہ گئی تب ہی بمشکل اس کے لبوں نے جنبش کی تھی۔

''تم تو ایک دم پاگل ہو سیفی......''

''ہاں میں پاگل ہوں اور ہمیشہ اسی پاگل پن میں رہنا چاہتا ہوں ایمان جی' بہرحال آپ پلیز مجھ سے پرامس کریں کہ آپ پرسوں میرے میوزک کنسرٹ میں ضرور آئیں گی' پلیز......'' وہ پھر بے تابی سے مچلا تھا' تب ہی ایمان ہمدانی نے سرد آہ بھرتے ہوئے ہمیشہ کی طرح اسے ٹال دیا۔

''او کے...... میں آنے کی کوشش کروں گی لیکن وعدہ نہیں کرتی۔''

''کوئی بات نہیں' آپ نے آنے کی ہامی بھری' میرے لیے یہی بات ہے' تھینک یو سو مچ ایمان جی۔ میں پوری شدت سے آپ کا انتظار کروں گا۔''

پل دو پل میں ہی کیسے گلاب کھل گئے تھے اس کے چہرے پر' کس قدر قرار اتر آیا تھا اس کے دل میں تب ہی وہ سرور سا اٹھ کھڑا ہوا پھر چلتے چلتے ایک پل کے لیے رکا اور پلٹ کر اس کی سمت دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ سچ مچ آئیں گی ناں ایمان جی؟'' امید و ناامیدی کے درمیان ڈگمگاتا اس کا پیاسا لہجہ' کس قدر خلوص بھرا تھا' جواب میں چپ چاپ سی ایمان ہمدانی نے فقط ایک نظر اس پر ڈالتے ہوئے خاموشی سے سر ہلا دیا پھر اسے مسرت سے واپس پلٹتے دیکھ کر تھکی تھکی سی ایک سانس معطر ہواؤں کے سپرد کرتی وہ خود بھی لان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

♥♥♥♥

وقت بہت آگے نکل آیا تھا۔

آج سے سات سال پہلے جب وہ سفیر علی سے ملی تھی تو حالات' تقدیر کے مخالف نہیں تھے۔ اس وقت زندگی پر اس کا اپنا اختیار تھا' وہ اپنی مرضی سے ہنستی تھی اور اپنی مرضی سے ہی آنسو بہاتی تھی لیکن اب وقت بہت بدل گیا تھا' اب ایسا کچھ بھی اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔

آج سے سات سال پہلے ''ہمدانی ہاؤس'' کے در و دیوار پر اس کی حکمرانی تھی' اسی کے قہقہوں کی جھنکار سے اردگرد ہر کہیں اجالے بکھرتے تھے' روشنیاں جنم لیتی تھیں' قمقمے جگمگاتے تھے لیکن اب ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ گزرنے والے یہ سات سال' اس سے سب کچھ چھین کر لے گئے تھے۔ اس کا ڈھیروں پیار' حکمرانی' اختیار' اس کے قہقہے سب کچھ...... اب اگر اختیار میں کچھ رہا تھا تو ایک جامد خاموشی' جس کا قفل ہمہ وقت اس کے گلابی ہونٹوں پر لگا رہتا تھا۔

ہمدانی صاحب کی رحلت کے بعد حالات اتنی تیزی سے بدلے تھے کہ وہ خود کو سنبھال ہی نہ پائی' اس کا پیارا ہمدانی ہاؤس جہاں وہ اپنے شفیق ڈیڈ احمد ہمدانی اور چچا توصیف ہمدانی اور ان کی بھری پری فیملی کے ساتھ خوش و خرم رہتی تھی' اب بہت تاریک ہوگیا تھا اس کے لیے۔ وہی چچی اور چچا' جو اس کے ڈیڈ کی زندگی میں اس پر اپنی محبتیں نچھاور کرتے تھے' اب بدلتے وقت کے ساتھ خود بھی اتنا بدل گئے تھے کہ وہ تو بس حیرانی سے ان کے بدلتے مزاجوں کو دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ احمد ہمدانی صاحب کی رحلت کے فوراً بعد انہوں نے اپنے بچوں کو نیویارک کی سب سے بڑی یونی ورسٹی میں پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔

سفیر علی جب فرسٹ ٹائم اس کے سامنے آیا تھا' تو اس کی حیثیت ایک ملازم کی تھی جسے اس کے ڈیڈ نے صرف اسی کے لیے اپائنٹ کیا تھا' اسے کالج سے لانے اور لے جانے کی تمام تر ذمہ داری کے ساتھ ساتھ کسی بھی وقت کہیں گھمانے' پھرانے' دوست کے گھر لے جانے یا شاپنگ کروانے کے فرائض بھی وہی سرانجام دیتا تھا۔ اس وقت ایمان کو یہ سنجیدہ سا' خوبرو لڑکا' بہت اچھا لگتا تھا اور وہ اس کی ذات میں گہری دل چسپی بھی رکھنے لگی تھی' جس کی سب سے بڑی وجہ شاید اس کی شرافت اور وجاہت ہی تھی۔

ان دنوں اسے اس کم گو سے لڑکے کا ضبط آزمانے میں بڑا لطف آیا کرتا تھا' تب ہی وہ کبھی رات کو بارہ اور ساڑھے بارہ بجے بھی اٹھ کر اس پر حکم صادر کردیتی کہ اسے واک کے لیے جانا ہے' نیند نہیں آرہی لہٰذا وہ اس کے ساتھ چلے اور وہ ایسا تابع فرمان تھا کہ کچی نیند سے اٹھ کر بھی فوراً اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہوجاتا۔ اکثر وہ کسی دوست کے گھر جاتی تو گھنٹوں واپسی کا نام نہ لیتی اور ایسے میں وہ گم صم سا لڑکا باہر گاڑی سے ٹیک لگائے پہروں اس

کا انتظار کرتا رہتا' کبھی وہ شدید خراب موسم میں بھی شاپنگ کی ضد کرلیتی۔ صرف اور صرف سفیر کو ستانے اور چڑانے کے لیے لیکن وہ ایسا ضبط میں ماہر تھا کہ پلٹ کر ہلکا سا احتجاج بھی نہ کرتا اور چپ چاپ' خاموشی سے اس کے حکم کی بجا آوری کے لیے فوراً اٹھ کھڑا ہوتا۔ خواہ راستے میں اسے کتنا ہی خوار کیوں نہ ہونا پڑتا۔

اس کی مما چونکہ اس کے بچپن میں ہی رحلت فرما چکی تھیں' تب ہی احمد ہمدانی صاحب نے اسے خوب سر پر چڑھایا ہوا تھا اور وہ خاصی بگڑی نسلوں میں سے تھی۔ ہمدانی صاحب سارا دن آفس میں ہوتے تھے لہٰذا وہ ان کی غیر موجودگی میں سفیر علی کو خوب ستاتی۔

اس روز بھی موسم بے حد خراب تھا' سڑکوں پر جگہ جگہ بارش کے پانی کی وجہ سے کھڈ بن گئے تھے لوگوں کا آنا جانا محال ہو رہا تھا لیکن اس نے فرمائش کردی کہ اسے شاپنگ کے لیے طارق روڈ تک جانا ہے اور جواب میں ہمیشہ کی طرح سفیر علی چپ چاپ بنا چوں چرا کیے اسے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہوگیا۔ راستے میں خراب موسم اور سڑکوں پر کھڑے گدلے پانی کی وجہ سے گاڑی کا حشر نشر ہوگیا۔ خود اسے بھی ڈرائیونگ میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا لیکن مجال ہے جو اس کے لبوں سے کوئی ایک حرف بھی نکلا ہو۔

پھر جس وقت وہ طارق روڈ تک پہنچی' مارے تھکن کے سفیر علی کا برا حال ہوچکا تھا لیکن وہ اب بھی خاموش تھا۔ تب ہی وہ مزے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے انتظار کرنے کا حکم دیتی ایک شاپ میں گھس گئی اور وہ کن من برستی بوندوں میں گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے کھڑا مسلسل دو گھنٹے اس کی راہ دیکھتا رہا۔ بلیک پینٹ پر زیب تن لائٹ بلو شرٹ بری طرح بھیگ کر جسم سے چپک چکی تھی لیکن وہ تو جیسے پتھر بنا اپنے آپ سے بے نیاز کھڑا تھا۔

اسی اثنا میں نٹ کھٹ سی ایمان ہمدانی شاپنگ ہال سے باہر آئی تو اسے بری طرح بارش میں بھیگتے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پل دو پل کے لیے ہی اس کے قدم ڈگمگائے تھے اور اگلے ہی پل وہ اپنی تمام تر شاپنگ کے ساتھ سیدھی زمین پر آن گری تھی' سارے کپڑے کیچڑ میں لت پت ہوگئے تھے۔ پاؤں اتنی شدت سے مڑا تھا کہ وہ کراہ کر رہ گئی تھی' تب ہی اس نے مدد طلب نگاہوں سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑے سفیر علی کو دیکھا تھا' پھر ہاتھ بڑھا کر اسے قریب بلا لیا۔

''میرے پاؤں میں شدید درد ہو رہا ہے' میں چل نہیں سکتی۔'' اسے قریب پاکر آنسوؤں سے بھری نگاہیں اس پر جماتے ہوئے وہ بولی تھی۔ جواب میں سفیر علی نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا' پھر اسی طرح اٹھائے اٹھائے وہ گاڑی تک پہنچا اور دائیں ٹانگ سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر ایمان کو آرام سے پچھلی سیٹ پر لٹا دیا' پھر پلٹ کر اس کے شاپنگ بیگ اٹھائے اور انہیں اپنی برابر والی سیٹ پر رکھتے ہوئے اس نے بس ایک نظر پاؤں پکڑ کر درد سے کراہتی ہوئی ایمان ہمدانی کو دیکھا' پھر چپ چاپ اپنی سیٹ پر آ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ اگلے روز شام تک اس کا پاؤں بالکل صحیح ہوچکا تھا' تب ہی وہ اپنے کمرے سے نکل کر سفیر کے کوارٹر کی طرف چلی آئی۔ ارادہ اپنی عزیز دوست نمرہ کے گھر جانے کا تھا' تب ہی سفیر کے کمرے تک پہنچ کر اس نے زور سے دروازہ بجا ڈالا۔ جواب میں فقط چند ہی سیکنڈ کے بعد سرخ سرخ سی آنکھوں کے ساتھ' سفیر علی نے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے۔

''گونگے ہونے کے ساتھ ساتھ' بہرے بھی ہوگیا؟ کب سے کھڑی دروازہ بجا رہی ہوں' کیا سنائی نہیں دیا؟'' اس بروقت بے وقت خوامخواہ کا رعب جھاڑنا وہ اپنا لازمی فرض سمجھتی تھی' تب ہی اسے سامنے پاکر دھیمی آواز میں چلائی' جواب میں چپ چاپ سے سفیر علی نے نگاہیں جھکا کر دھیمے سے ''سوری'' بول دیا۔

''مجھے اپنی ایک دوست سے ملنے جانا ہے' پلیز فوراً چلو۔'' اس کے سوری بولنے پر گردن میں مزید تناؤ آ گیا

تھا' تب ہی دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے اس نے تحکمانہ انداز میں کہا تو سنجیدہ سا سفیر علی اثبات میں سر ہلا کر واپس اندر چلا گیا کیوں کہ اس کے پاؤں میں جوتا نہیں تھا اور وہ غالباً گہری نیند سے جاگا تھا' یہی وہ لمحہ تھا جب نٹ کھٹ سی ایمان علی ہمدانی کو اس کا اکلوتا کمرہ پہلی مرتبہ تفصیل سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

چھوٹا سا تاریک کمرہ' جس میں فقط ایک چارپائی' ایک چھوٹا سا صندوق' پانی کا ایک کولر' ایک لحاف' چھوٹی سی ایک ٹیپ اور اس کے ساتھ چند آڈیو کیسٹیں پڑی تھیں۔ اس کے علاوہ وہاں ضروریات زندگی کی اور کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ گو کمرے کی صفائی قابل دید تھی لیکن پھر بھی ایمان ہمدانی کو وہاں ایک عجیب سا سناٹا محسوس ہوا' تب ہی وہ فوراً واپسی کے لیے پلٹی تھی اور اسی کوشش میں بے ساختہ ہی وہ قریب کھڑے گم صم سے سفیر علی سے ٹکرا گئی۔ اس نے قطعی نادانستگی میں سنبھلنے کے لیے سفیر علی کا بازو تھاما تھا اور پھر جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

کس قدر حیرانی سے اس نے خاموش کھڑے سفیر علی کو دیکھا تھا پھر غصے سے بے حال ترش لہجے میں ڈپٹتے ہوئے بولی۔

''تمہیں اتنا تیز بخار ہے اور تم نے کسی کو بتایا تک نہیں......؟ کیوں......؟ خود کو بے جان سمجھتے ہو...... آخر اس قدر فرماں برداری سے ثابت کیا کرنا چاہتے ہو تم؟ بولو' جواب دو......؟'' اپنا سرد ہاتھ اس کے سینے پر مارتے ہوئے وہ چلائی تھی لیکن سامنے کھڑا وہ خوبرو سا لڑکا اب بھی خاموش تھا۔

''پلیز اسٹاپ اٹ سفیر...... میں تمہاری اس مسلسل خاموشی اور سنجیدگی سے تنگ آ گئی ہوں۔ نہیں چاہئے مجھے ایسا بے زبان غلام...... میں ابھی پاپا سے بات کر کے تمہارا فیصلہ کرواتی ہوں۔'' اسے مسلسل خاموش پا کر اس نے پھر بری طرح سے پاؤں پٹخے تھے۔ جواب میں خاموشی سے سفیر علی نے اپنی سرخ سرخ نگاہوں میں بھر آنے والے آنسو بمشکل چھپا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''سوری۔'' کتنی مشکل سے وہ کہہ پایا تھا' تب ہی خفا خفا سی ایمان ہمدانی نے اسے بستر پر لیٹنے کا حکم دے کر چوکی دار کو آواز دے ڈالی' پھر اپنے فیملی ڈاکٹر کو بلانے کا حکم دیتے ہوئے وہ وہیں سفیر کی چارپائی کے قریب موڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''ایک دم پاگل ہو تم تو...... ذرا جو اپنا کوئی خیال ہو تمہیں۔ ہر وقت حکم کے غلام بنے رہتے ہو' مجال ہے جو کبھی انکار لبوں پر آ جائے تمہارے۔'' اس کی پیشانی چھو کر ٹمپریچر کی حرارت محسوس کرتے ہوئے وہ بڑبڑائی تھی پھر ملازم سے ٹھنڈا پانی اور ایک صاف کپڑا منگوا کر وہ کتنی ہی دیر تک اس کی پیشانی پر ٹھنڈی پٹیاں رکھتی رہی تھی' یہاں تک کہ ان کے فیملی ڈاکٹر خالد رضا صاحب بھی وہاں چلے آئے' پھر سفیر کا اچھی طرح چیک اپ کرنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں' دراصل بارش میں بھیگنے اور تھکن کی شدت کے باعث اسے بخار نے جکڑ لیا تھا' لیکن اب بخار کی شدت میں قدرے کمی آ گئی تھی اور امکان تھا کہ اگلے دو' تین گھنٹوں میں بخار مکمل اتر جاتا۔

ڈاکٹر نے سفیر کو ہدایت بھی کی تھی کہ وہ دو' تین روز تک مکمل آرام کرے اور اپنا خیال رکھے۔ ساتھ میں انہوں نے کچھ ضروری دواؤں کے نام بھی ایک کاغذ پر گھسیٹ کر پرچی ایمان ہمدانی کو تھما دی' پھر اسے پریشان نہ ہونے کی نصیحت کرتے ہوئے وہ وہاں سے چلے گئے تو ایمان نے فوراً ملازم کو پرچی تھما کر اپنے پرس سے پیسے نکالتے ہوئے ادویات لانے کا کہا' پھر سفیر کے بستر پر پڑا کمبل اس کے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے بولی۔

''ڈاکٹر نے دو' تین روز تک مکمل آرام کرنے کا کہا ہے' خبردار جو اب بستر سے نکلے تو...... میں ابھی ملازم کے ہاتھ گرم دودھ بھجواتی ہوں' پی لینا اور دوا بھی کھا لینا' اوکے۔'' وہ اس وقت صرف اور صرف ایک اچھی دوست لگ رہی تھی' تب ہی سفیر علی خان کی آنکھیں اظہار تشکر سے نم ہوگئیں۔

''تھینک یو۔'' کس قدر عقیدت سے اس نے کہا تھا' جواب میں پرخلوص ایمان ہمدانی نے ایک دوستانہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھال دی۔

''تھینک گاڈ کہ تم نے سوری کے علاوہ کچھ کہنا تو سیکھا......'' مہربان نگاہوں سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا' پھر اس کے دھیمے سے مسکرانے پر وہ وہاں سے واپس چلی آئی اور شام میں جب وہ احمد ہمدانی صاحب کے ہمراہ دوبارہ اس کی عیادت کو گئی تو وہ پہلے کی نسبت کافی فریش تھا۔ بخار بھی خاصی حد تک کم ہو گیا تھا' احمد ہمدانی صاحب' تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھے' اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور وہ چپ چاپ بیٹھی اسے مدھم لہجے میں بولتے ہوئے سنتی رہی۔

کتنا پیارا لہجہ تھا اس کا' کس قدر مٹھاس تھی اس کے لفظوں میں' جیسے سچ مچ لبوں سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

کچھ لوگ واقعی اتنا خوب صورت بولتے ہیں کہ انہیں گھنٹوں سن کر بھی سماعتیں سیراب ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ اس روز' وہاں سے اٹھتے وقت اس نے سوچا تھا کہ یہ شخص جب اتنا خوب صورت بولتا ہے تو نجانے گاتا کتنا خوب صورت ہوگا؟

اور اپنی اسی سوچ کو اس نے اگلے روز اس پر کھول بھی دیا۔

''سنو......تم اچھا بولتے ہو' یقیناً اچھا گا بھی سکتے ہو......تو پھر تم گاتے کیوں نہیں؟'' حسب معمول اس کی چارپائی کے قریب دھرے موڑھے پر بیٹھتے ہوئے اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا تھا' جواب میں افسردہ سے سفیر علی کے جامد لبوں پر ایک پھیکی سی مسکان بکھر گئی۔

''میں تنہائی میں کبھی کبھی گنگناتا ہوں ایمان جی' لیکن میری آواز کو توجہ سے سننے کی فرصت کسی کے پاس نہیں ہے' بس اسی لیے کسی کے سامنے کبھی اس فن کا اظہار نہیں کیا۔''

گزشتہ ایک سال میں وہ پہلی مرتبہ یوں تفصیل سے اس کے ساتھ ہم کلام ہوا تھا جس سے حوصلہ پا کر وہ مزید بے تکلفی سے بولی۔

''مجھے سلو گانے والے بہت پسند ہیں' اگر تم کلاسیکل گاتے ہو تو پلیز کچھ سناؤ ناں......'' اس وقت اس نے سراسر جھوٹ سے کام لیا تھا' کیوں کہ اسے کسی بھی قسم کے میوزک سے کوئی دل چسپی نہیں تھی لیکن اس کا یہ راز سفیر علی قطعی نہیں جانتا تھا' تب ہی قدرے مسرور ہو کر بولا۔

''آپ میرا مذاق تو نہیں اڑائیں گی؟''

''نہیں۔''

اس کے معصومانہ لہجے پر فوراً اس نے نفی میں سر ہلایا تھا' جس کے جواب میں قدرے حوصلہ پا کر سنجیدہ سے سفیر علی نے اپنی غلافی پلکیں موند لیں پھر کچھ پل خاموشی کی نظر کرنے کے بعد دھیمے سروں میں گنگنانے لگا۔

''ہوسکے تو میرا ایک کام کرو
شام کا اک پہر میرے نام کرو
دل تو پہلی نظر میں تمہارا ہوا
تم ہو جیتے ہوئے اور میں ہارا ہوا
میری بانہوں کے گھر میں قیام کرو
شام کا اک پہر میرے نام کرو''

دھیمے سُروں میں ڈوب کر وہ اتنی خوب صورتی سے گا رہا تھا کہ میوزک سے قطعی دل چسپی نہ رکھنے والی ایمان ہمدانی بھی یک ٹک سحر زدہ سی ہو کر اسے چپ چاپ سنتی رہی' یہاں تک کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور گانا بند کر دیا۔

''ارے......تم رک کیوں گئے...... پلیز اور گاؤ ناں......'' اسے خاموش پا کر وہ دوبارہ اصرار کرتے ہوئے بولی تھی' جواب میں سفیر علی نے ذرا سا مسکرا کے پھر سے کوئی گیت گنگنانا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ اگلے بیس' پچیس منٹ تک یونہی چلتا رہا۔ پھر شام گہری ہو جانے کے باعث وہ دل کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور سنجیدگی سے سوچنے لگی کہ کیسے سفیر علی کے فن کو زنگ لگنے سے بچائے؟ سوچ سوچ کر یہی حل سمجھ میں آیا کہ اسے سفیر علی کے سلسلے میں یقیناً اپنے ڈیڈ سے بات کرنی چاہیے۔

تب ہی اسی رات' کھانے کے دوران اس نے احمد ہمدانی صاحب کو سفیر علی کی اچھی آواز کے بارے میں بتایا اور ان سے ریکویسٹ کی کہ وہ لازماً اپنے کسی شوبز سے تعلق رکھنے والے دوست کی مدد سے سفیر علی کو لوگوں کے سامنے لائیں اور پھر یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ دو' تین ماہ کے بعد ہی سفیر کو اس کے خوابوں کی تعبیر مل گئی۔

کتنا خوش دکھائی دے رہا تھا وہ اس روز' جب ایمان نے اسے بتایا کہ اسے کل ہی ایک بہت معروف کمپنی کے لیے گانے کے سلسلے میں انٹرویو دینے جانا ہے اور پھر جب اگلے ہی روز وہ خوشی خوشی انٹرویو کے لیے تیار ہوا تو ایمان نے اس کی تیاری میں بھی بھرپور طریقے سے اس کی مدد کی تھی اور اسے وقتِ رخصت ڈھیروں تسلی بھی تھمائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس نے ہمزاد میوزیکل کمپنی کے لیے پہلا انٹرویو دیا تو وہ خاصا پُراعتماد تھا۔ جس کا رزلٹ یہ ملا کہ اسے دو' تین دن کے غور و خوض کے بعد ہمزاد میوزیکل کمپنی کے لیے اپائنٹ کر لیا گیا۔ اس روز وہ خوشی سے اتنا بے حال تھا کہ پوری رات گھر ہی نہ لوٹا اور بے قرار سی ایمان ہمدانی مضطرب دل و دماغ کے ساتھ اس کی راہ دیکھتی رہی۔

وقت کے ساتھ ساتھ' اگلے کچھ ہی عرصے میں سفیر نے اپنی محنت اور کوششوں سے اپنا ایک مقام بنا لیا' کل تک لوگ جس کے نام سے بھی آشنا نہیں تھے' اب وہی ہزاروں' لاکھوں دلوں پر راج کر رہا تھا۔ اس کے میوزیکل شو ہر شہر میں ہاؤس فل ثابت ہو رہے تھے' دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے شمار لوگوں کا ہیرو بن بیٹھا تھا لیکن ہمدانی ہاؤس کے در و دیوار میں اس کی حیثیت قطعی نہیں بدلی۔

ایمان ہمدانی اب بھی پہلے کی مانند بڑی دھونس کے ساتھ اسے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرتی تھی' اس کا خواہ کتنا ہی اہم شو کیوں نہ ہوتا' وہ فوراً کینسل کر دیتا اور ایمان ہمدانی کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی۔ ایک روز یونہی لانگ ڈرائیو کے بعد جب وہ لوگ خاصی دور نکل آئے تو شام کی مچلتی ہواؤں کو خراج تحسین پیش کرتی ایمان ہمدانی نے بہت خلوص کے ساتھ اس سے پوچھا تھا۔

''سیفی! تم نے کبھی بتایا نہیں کہ تمہارے ممی ڈیڈی کہاں ہیں' کس حال میں ہیں اور یہ بھی کہ جب تم گاتے ہو تو تمہاری آواز میں اتنا درد کیوں سمٹ آتا ہے؟''

اس کے سوال پر سلو ڈرائیونگ کرتے سفیر علی خان کے ہاتھ دھیرے سے لرزے تھے۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی چھلکی تھی لیکن وہ ہمیشہ کی طرح ضبط کا پہاڑ بنا کہہ رہا تھا۔

''میں اس دنیا میں بالکل اکیلا ہوں ایمان جی' کوئی نہیں ہے جو میری خوشی اور دکھ کے تعلق کو شیئر کرے۔ نہ دعائیں کرنے والے لب' نہ راستہ دیکھنے والی فکرمند نگاہیں' عرصہ ہوا ہر قسم کے رشتہ سے آزاد ہوئے' اب تو ایک اپنا دم ہے اور یہ سانسوں کا سلسلہ' جو نجانے کب تک ساتھ دے۔''

''اتنے مایوس کیوں ہو زندگی سے......؟ خدا نے تمہیں اچھی شکل دی ہے' اچھی آواز دی ہے' سب سے بڑھ کر خود مختار بنایا ہے' تمہیں تو اس بزرگ و برتر کا شکر گزار ہونا چاہیے' البتہ تم اس کی ذات سے مایوس ہو۔''

ایمان کو اس کی افسردگی گراں گزر رہی تھی' تب وہ خاموش نہ رہ سکی۔ جواب میں سنجیدہ سے سفیر علی نے بس سرسری ایک نگاہ اس پر ڈالی' پھر رخ پھیرتے ہوئے بولا۔

''رات کافی ہوگئی ہے' میرے خیال سے آپ کو واپسی کا ارادہ کر لینا چاہیے۔ یقیناً احمد صاحب آپ کو لے کر پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

''ہاں چلو۔'' اس کے بات بدل لینے پر ایمان نے بھی مزید بحث و تکرار مناسب نہ سمجھی اور اسے واپسی کا حکم دے کر خاموشی سے گاڑی سے باہر دیکھنے لگی' جہاں روشن قمقمے دھیرے دھیرے تاریکی کا حصہ بن رہے تھے۔

وقت کتنی جلدی بدل جاتا ہے' اس کا اندازہ ابھی تک ایمان ہمدانی کو نہیں تھا۔

اور شاید یہی وجہ تھی کہ ٹھیک پندرہ دنوں کے بعد جب

ایک رات اس کے عزیز از جان پیارے پاپا احمد ہمدانی صاحب شدید ہارٹ اٹیک کے باعث اس سے ہمیشہ کے لیے دور چلے گئے تو وہ قطعی اس سچویشن کو قبول نہیں کرپائی' کتنا بھیانک دن تھا وہ جو کسک بن کر زندگی بھر کے لیے ایمان ہمدانی کی آنکھوں اور دل میں اٹک کر رہ گیا تھا۔

کتنی بارش ہوئی تھی اس روز...... دن بھر بادل برسے تھے' رات میں بھی بوندا باندی کا سلسلہ جاری تھا۔ ایسے میں اس کے چچا توصیف ہمدانی اپنی بیوی اور دونوں بچوں کے ساتھ مری کے ٹور پر نکلے ہوئے تھے' محل جیسے گھر میں وہ اپنے ڈیڈ احمد ہمدانی صاحب اور ایک ملازم کے ساتھ اکیلی تھی۔ شب کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ملازم بھی اپنے بیوی بچوں کا صدقہ دے کر رخصت ہوگیا تھا' تب تقریباً دو گھنٹے کے بعد اس کی آنکھ ہلکے سے کھٹکے سے کھلی تھی اور اس نے کمرے سے باہر نکل کر اپنے ڈیڈ کو کوریڈور میں ٹہلتے پایا تھا' جب ہی وہ قدرے حیران حیران سی ان کے قریب چلی آئی۔

''کیا بات ہے ڈیڈ...... کیا نیند نہیں آرہی؟'' ان کے قریب پہنچ کر اس نے پوچھا تھا' جواب میں مضطرب سے احمد ہمدانی صاحب نے چونک کر اس کی سمت نگاہ کی پھر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

''ہاں...... میں ٹھیک ہوں وہ...... بس کچھ پیاس لگی تھی تو میں یہاں چلا آیا' آپ آرام کرو بیٹے' جاؤ جاکر سوجاؤ۔'' اسے بہلاتے ہوئے انہوں نے گویا بھرپور ضبط کا مظاہرہ کیا تھا ورنہ سینے میں بائیں جانب اٹھنے والا شدید درد انہیں نڈھال کررہا تھا تب ہی وہ اگلے ہی پل قریبی صوفے پر ڈھے گئے تھے اور انہیں یوں صوفے پر لڑھکتے دیکھ کر حیران حیران سی ایمان ہمدانی کی تو گویا جان ہی نکل گئی۔ کتنی ہی دیر وہ انہیں جھنجوڑتے ہوئے ہوش سنبھالنے پر مجبور کرتی رہی تھی لیکن ان سے تو گویا خود کو سنبھال پانا ممکن ہی نہیں رہا تھا' تب ہی بدحواس ایمان ہمدانی چیخ چیخ کر سب کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے پھر ننگے پاؤں ہی سفیر علی کے کوارٹر کی جانب بھاگی تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی کا سلسلہ اب بھی جاری تھا لیکن وہ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج سے بے نیاز کانپتے ہاتھوں سے سفیر علی کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہی' پھر جس وقت وہ نیند سے جاگا اور اس نے رات کے تقریباً دو ڈھائی بجے بدحواس سی ایمان ہمدانی کو اپنے کمرے کے باہر کھڑے پایا تو بری طرح پریشان ہوگیا لیکن اس سے کہیں درجے بڑھ کر پریشان تو اس وقت ایمان ہمدانی تھی کہ جس کے صاف ستھرے گلابی پاؤں اس وقت کیچڑ میں لت پت ہورہے تھے اور وہ بری طرح آنسو بہاتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

''سیفی...... سیفی...... وہ...... وہ پاپا کو...... پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے' تم پلیز میرے ساتھ چلو' پلیز......'' اسے بازو سے تھام کر کھینچتے ہوئے وہ بے بسی سے چلائی تھی' پھر قدرے ہونق سے سفیر علی کے ساتھ واپس دوڑ آئی لیکن صد افسوس کہ تب تک زندگی کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور وہ صوفے پر بے ترتیب پڑے زندگی کی قید سے آزاد ہوگئے تھے۔

پل دو پل میں ہی تقدیر نے پلٹا کھایا تھا لیکن وہ اس حادثے کے بعد یوں ٹوٹ کر بکھری کہ پھر سمٹنے میں کئی سال لگ گئے۔

گو احمد ہمدانی صاحب کی رحلت کے بعد سفیر علی خان اس کا اپنی جان سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگا تھا بالکل موم کی گڑیا کی مانند اسے بہلائے رکھتا تھا لیکن وہ ایک خلا جو احمد صاحب کی جدائی کے بعد اس کے دل میں رہ گیا تھا' وہ کبھی پُر نہ ہوسکا۔

احمد ہمدانی صاحب کی زندگی کے ساتھ ہی ان کے طے کردہ تمام اصول وضوابط ان کے تمام فیصلے' تمام ادھورے منصوبے سب ٹوٹ کر رہ گئے' یہاں تک کہ ان کی رحلت کے ایک ہفتے بعد ہی اس کے چچا توصیف ہمدانی اور چچی نورین ہمدانی نے کاہلی اور حرام خوری کا بے بنیاد الزام لگا کر سنجیدہ سے سفیر علی کو بھی بے عزت کرکے

گھر سے نکال دیا۔ انہیں یہ قطعی گوارہ نہیں تھا کہ ان کی جائیداد اور آفس کا کوئی اور دھیان رکھے۔ نیز وہ کسی ایسے شخص کو مفت میں ہر ماہ بھاری تنخواہ دیں کہ جسے صرف اور صرف ان کی یتیم بھتیجی کی خدمت گزاری کے لیے رکھا گیا ہو۔

ہمدانی ہاؤس سے رخصتی کے وقت وہ کتنا نڈھال دکھائی دے رہا تھا' یہ ماسوائے ایمان ہمدانی کے اور کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ کتنی عادت پڑ گئی تھی اسے اپنے دل کی ہر بات ایمان ہمدانی سے شیئر کرنے کی اور وہ بھی تو اس کی بہت عادی ہوگئی تھی لیکن اب حالات اس کے اختیار میں نہیں تھے' تب ہی گم صم سی ایمان ہمدانی فقط ایک بے بس پرندہ کی مانند ہمدانی ہاؤس کے سنہری پنجرے میں چپ چاپ قید ہوکر رہ گئی تھی۔

وقت بہت بے رحم ہوگیا تھا' اب اس کی زندگی کا ہر عمل' ہر فیصلہ اس کے چچا اور چچی کے حکم کا محتاج ہوکر رہ گیا۔ ساری آزادی سلب کرلی گئی تھی' اب تو ہفتوں بعد بھی اس گھر میں سفیر علی خان کی آمد پر واضح ناگواری کا اظہار ہوتا تھا لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ہفتوں کے بعد بھی سفیر علی خان کو ہمدانی ہاؤس میں آنے سے روک دیتی؟ یہ سب بھلا اس کے اختیار میں ہی کہاں تھا کیوں کہ جن آنکھوں کے آنسو اس نے خود اپنی ہتھیلیوں سے پونچھے تھے اب وہ انہی آنکھوں میں پھر سے آنسو کیسے بھردیتی؟ وہ ایک شخص کہ جسے اس کے پیارے ڈیڈ نے خود اس کا خیال رکھنے کے لیے چنا تھا' وہ آج ان کی رحلت کے بعد کیسے اس سے آنکھیں پھیرلیتی' سہارا دے کر پھر کیسے دوبارہ زمین پر گرادیتی اسے؟ تب ہی تو اتنی الجھ کر رہ گئی تھی وہ کہ نہ تو اسے صاف لفظوں میں گھر آنے سے منع کرسکتی تھی اور نہ ہی اس کے پرخلوص جذبوں کی توہین گوارہ کرسکتی تھی۔ سو بہتر یہی لگا کہ وہ اپنے رویے کو روڈ کرے تاکہ سفیر علی خان ایک دن خود ہی اس کی طرف سے مایوس ہوکر ہمدانی ہاؤس میں آنا جانا چھوڑ دے اور آج کل وہ انہی کوششوں میں تھی۔ تب ہی اس کا سامنا کم سے کم کررہی تھی کہ اسے قطعی اپنے چچا اور چچی کے ہاتھوں اس کی بے وجہ انسلٹ گوارہ نہیں تھی۔

♥♥♥♥

''بی بی جی! آپ کو توصیف صاحب ٹی وی لاؤنج میں یاد فرمارہے ہیں۔''

وہ گم صم اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی بیٹھی تھی جب ملازمہ نے آکر اسے اطلاع دی' جواب میں وہ فوراً اٹھ کر دوپٹہ اچھی طرح سر پر جماتے ہوئے ملازمہ کے ساتھ ہی ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی جہاں توصیف صاحب کے ہمراہ اس وقت ان کی بیگم نورین ہمدانی صاحبہ بھی براجمان تھیں۔

''جی انکل' آپ نے ہمیں یاد فرمایا؟'' ٹی وی لاؤنج میں ان کے سامنے والے صوفے پر ٹکتے ہوئے اس نے آہستگی سے پوچھا تھا' جواب میں خفا خفا سے توصیف ہمدانی بھاری لہجے میں بولے۔

''ہاں...... بہت ضروری بات کرنی تھی تم سے۔ لیکن اس سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ پرسوں وہ دو ٹکے کا گویا پھر کیوں آیا تھا یہاں؟ جب ہم اسے یہاں سے دفع دور کرچکے ہیں تو کیوں ہر ہفتے منہ اٹھا کر چلا آتا ہے یہاں......؟''

توصیف صاحب کے غصیلے لہجے سے لگ رہا تھا کہ اس بار وہ سفیر علی کی ہمدانی ہاؤس میں آمد پر شدید خفا تھے۔ تب ہی پریشان سی ایمان ہمدانی کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں' اسے فوری طور پر سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ سفیر علی کی صفائی میں کیا کہے اور کیسے کہے' لہٰذا مرے مرے سے لہجے میں بولی۔

''وہ...... وہ مجھے اپنے ایک شو میں انوائیٹ کرنے آیا تھا۔''

''شٹ اپ ایمان...... میری ہی ناک کے نیچے یہ چوہے بلی کا کھیل' اب بہت ہوگیا۔ وہ تو لاوارث ہے آوارہ ہے' لیکن تم تو عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ پھر اب تم کوئی بچی نہیں ہو کہ ایسے کھلونوں سے بہلتی رہو' اب تم ایک میچور لڑکی ہو' اپنی نہیں تو کم از کم ہماری ہی

عزت کا خیال کرلو......" اس کے مریل سے لہجے پر وہ دھاڑ کر بولے تھے' جواب میں بدحواس ایمان ہمدانی کی بڑی بڑی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔

"آ......آپ بالکل غلط سوچ رہے ہیں انکل...... میں نے کبھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا کہ اس گھر کی عزت کو داغ لگے۔" اپنی صفائی میں' اپنے ہی کردار کے لیے آواز اٹھاتے ہوئے اس کے لہجے میں کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

"بس......کوئی صفائی نہیں چاہئے مجھے......اس قصے کو یہیں پر ختم کرو اور کان کھول کر اچھی طرح سے سن لو کہ آئندہ میں تمہیں اس دو ٹکے کے گوئیے کے ساتھ کبھی نہ دیکھوں' سمجھیں تم......؟" اس کی وضاحت پر فوراً ہی ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکتے ہوئے وہ پھر چلائے تھے' جواب میں زخم زخم سی ایمان ہمدانی نے چپ چاپ اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ......اب میں تمہیں وہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ جس کے لیے میں نے تمہیں یہاں بلایا ہے' وہ ایچولی بات یہ ہے کہ کل ہی میں نے بڑے بھیا کے وکیل کی وساطت سے ان کی ول حاصل کی ہے' تو مجھے کل ہی یہ معلوم پڑا کہ بڑے بھیا نے یہ ہمدانی ہاؤس تمہارے نام کیا ہے' اس کے علاوہ بزنس کا ایک چوتھائی حصہ جو تقریباً ساٹھ کروڑ روپے کے لگ بھگ ہے' وہ بھی تمہیں ملے گا' باقی ان کی جو چند زمینیں وغیرہ تھیں اور جو بزنس کا بقیہ حصہ ہے' وہ انہوں نے میرے' یعنی اپنے چھوٹے بھائی اور میرے بچوں یعنی اپنے بھتیجی بھتیجوں کے نام کیا ہے' تم اگر چاہو تو ول دیکھ سکتی ہو' یا پھر بڑے بھیا کے وکیل سے کنفرم کرسکتی ہو۔"

نہایت عجیب سا لہجہ تھا ان کا لیکن چپ چاپ آنسو بہاتی ایمان ہمدانی نہایت شاکڈ رہ گئی۔ خاموشی سے بہتے اس کے آنسو گالوں اور پلکوں پر ہی اٹک گئے' کس قدر بے یقینی سے اس نے اپنے سامنے بیٹھے اس بے ایمان شخص کو دیکھا تھا کہ جو دھوکے دہی سے اس کی اربوں کی جائیداد پر قابض ہو کر خود کو سچا ثابت کر رہا تھا۔

"اور ہاں......کیپٹن شجاع آفندی اگلے ہفتے یہاں آرہا ہے' اس نے کچھ ہی روز قبل تمہیں پرپوز کیا ہے' لیکن میں جب تک تمہارے فیصلے سے آگاہ نہیں ہوجاتا' اسے کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں' ویسے شجاع کو تو تم اچھی طرح جانتی ہی ہو' تمہارے بچپن کا دوست ہے' پھر بڑے بھیا کا بھی بہت لاڈلا رہا ہے' تم اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو' ہمیں کسی قسم کی کوئی جلدی نہیں ہے' ویسے تمہاری شادی کے بعد تمہاری چچی کا خیال ہے کہ ہم لوگ یہ گھر اور تمہارا حصہ تمہارے حوالے کرکے ہمیشہ کے لیے نیویارک چلے جائیں تاکہ تم یہاں اپنے شوہر کے ساتھ خوش و خرم اور اپنی مرضی کے مطابق رہ سکو۔ بہرحال تم اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو پھر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کردینا۔ میں شجاع کے والدین سے خود ہی بات کرلوں گا۔"

اسے گم صم پاکر وہ فوراً ہی بات بدل گئے تھے تاکہ جائیداد کی طرف سے اس کا دھیان بٹ جائے لیکن وہ تو گم صم سی یوں خاموش بیٹھی تھی گویا پتھر ہوگئی ہو اور اب خواہ لاکھ طوفان آئیں یا آندھیاں چلیں اسے کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔

اور پرواہ ہوتی بھی کیوں؟ وہ کہ جن کے دم سے اس کی سانسیں جڑی تھیں' جب وہی نہیں رہے تھے تو دھن دولت کے لیے خون کے آنسو رونا بھلا کہاں کی دانش مندی تھی لیکن اس کے باوجود نجانے کیوں اس رات وہ اپنی بے بسی اور تقدیر کی بے رحمی پر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور اتنا روئی تھی کہ اگلے روز جب اس نے بستر سے نکلنے کی کوشش کی تو پورا بدن آگ کی مانند جل رہا تھا اور وہ بے حد نڈھال تھی۔

موسم بہت بدل گیا تھا' معطر ہواؤں میں ہلکی ہلکی نمی اور خنکی کا احساس خاصی حد تک بڑھ گیا تھا۔ ہر طرف کھلے رنگا رنگ پھول اور سبزہ نگاہوں کو عجیب سی تراوٹ بخش رہے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ذات پر جمے اداسی کے گہرے جمود کو توڑ نہ پائی۔

گھر سے باہر نکلنا بھی اس نے تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا' اس دوران سفیر علی خان نے بھی دو' تین مرتبہ ہمدانی ہاؤس کے چکر لگائے لیکن ہر مرتبہ ایمان نے ملازم سے یہی کہلوایا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ نتیجتاً وہ مایوس ہو کر گیٹ کے باہر سے ہی واپس چلا جاتا۔

کیپٹن شجاع آفندی اپنے والد صاحب کی رحلت کے باعث تاحال ہمدانی ہاؤس کا چکر نہیں لگا پایا تھا۔ اور توصیف صاحب بھی آج کل نجانے کن مصروفیات میں الجھے ہوئے تھے کہ گھر پر دکھائی ہی نہیں دیتے تھے۔ نورین بیگم کے مزاج ویسے ہی نہیں ملتے تھے' تیسرا کوئی ایسا فرد نہیں تھا کہ جس سے بات کر کے وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی۔ تمام دوست احباب سے عرصہ ہوا وہ کنارہ کشی کر چکی تھی۔ تب ہی اس روز جب دل کی بے کلی حد سے سوا ہوگئی تو وہ اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھا کر ساحل سمندر کی طرف نکل آئی کہ سمندر کی وسعتوں میں چنچل لہروں کو مچلتے ہوئے دیکھنا اسے کسی حد تک خود سے بے نیاز کر دیتا تھا۔

آسمان اس وقت بھی سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور سمندر کے وسیع ساحل پر ہواؤں کی چھیڑ خانی بھی بدستور جاری تھی لہٰذا وہ کتنی ہی دیر وہاں کھڑی چپ چاپ موجوں کے تلاطم کو دیکھتی رہی پھر کافی دیر کے بعد اس نے جونہی واپسی کے لیے قدم اٹھائے بالکل بے ساختہ ہی نگاہ کچھ ہی فاصلے پر براجمان سنجیدہ سے سفیر علی خان پر جا پڑی' جو اس وقت دنیا جہاں سے بے نیاز بنا ایک چھوٹی سی چٹان پر اداس بیٹھا تھا اور غالباً رو بھی رہا تھا۔ کچھ ہی فاصلے سے وہ اس کے لبوں کو حرکت کرتے دیکھ کر بخوبی یہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ گنگنا رہا تھا۔

تب بہت دنوں کے بعد وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر اپنے اٹھتے ہوئے قدموں کو اس کی طرف بڑھانے سے روک نہیں پائی اور چپ چاپ جا کر اس کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ نتیجتاً وہ جو اپنے ہی آپ میں مدہوش کچھ گنگنا رہا تھا' فوراً خاموش ہو کر گم صم سی ایمان ہمدانی کو قدرے تحیر کے ساتھ دیکھنے لگا پھر سرعت سے رخ پھیر کر اپنی پلکوں کے آنسو انگلی کے پوروں پر چنتے ہوئے وہ خاصے خوش گوار لہجے میں بولا۔

''ارے...... آپ یہاں......؟''

''کیوں...... میں کیا یہاں نہیں آسکتی؟ ویسے بھی مجھ پر ساحل سمندر کا نظارہ کرنے کے لیے تاحال کوئی پابندی عائد نہیں ہوئی ہے۔''

''آئی ایم سوری' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بہرحال آپ کو یہاں پورے سترہ دنوں کے بعد دیکھ کر مجھے کس قدر خوشی ہو رہی ہے وہ میں چاہ کر بھی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔'' اس کے دوبدو لہجے پر وہ فوراً ہی معذرت کرتے ہوئے قدرے مسرور سے لہجے میں بولا تھا جواب میں سنجیدہ سی ایمان ہمدانی اس کے بے پایاں خلوص پر دھیمے سے مسکرا دی' پھر قدرے فریش لہجے میں بولی۔

''ارے...... تم نے تو ایک ایک دن کا خوب حساب رکھا ہوا ہے۔ یہ بتاؤ کہ آج کل کیا مصروفیات ہیں اور تمہارا وہ سنگنگ کا شوق کس حد تک تکمیل کو پہنچا؟''

''پتہ نہیں۔''

''کیوں......؟'' اپنے فریش سوال کے جواب میں اس کا بے نیازانہ سا جواب سن کر کسی قدر چونکی تھی جواب میں وہ اداسی سے بولا۔

''آپ جب تک مجھے گاتے ہوئے نہیں دیکھیں گی نہیں سنیں گی' تب تک میرے لیے سب کچھ بے کار ہے ایمان جی......''

''تم تو پاگل ہو سیفی' خیر یہ بتاؤ کہ شادی وادی کا پروگرام کب تک ہے؟'' اس کے بے تحاشا خلوص پر ایک مرتبہ پھر ندامت سے مسکرائی تھی تاہم سنجیدہ سے لڑکے کا لہجہ ہنوز اداس رہا۔

''میں شاید زندگی بھر شادی نہ کر سکوں ایمان جی۔'' سمندر کی مچلتی موجوں پر نگاہیں جمائے وہ کسی قدر اداسی سے بولا تھا۔ جواب میں ایمان ہمدانی نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیوں......؟''

''کیوں کہ میں نے جس لڑکی سے پیار کیا ہے وہ مجھے مل نہیں سکتی اور دوسری کسی لڑکی کے بارے میں' میں سوچ نہیں سکتا۔''

''مل کیوں نہیں سکتی' کیا شادی شدہ ہے وہ؟''

اسے گمان تو تھا کہ ضرور یہ سنجیدہ سا نوجوان عشق کا روگی ہے' پھر آج اس کے ہی لبوں سے تصدیق بھی ہوگئی تھی۔ تب ہی وہ بے ساختگی سے بولی تو سفیر علی خان نے اپنی نگاہیں سمندر کی چنچل موجوں سے ہٹالیں' پھر سرسری سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''شادی شدہ نہیں بلکہ غیر ذات کی ہے وہ' میرے اور اس کے اسٹینڈرڈ میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر وہ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے' جب کہ میں...... میرا تو نہ کوئی خاندان ہے نہ نشان۔''

''او گاڈ' پتہ نہیں یہ فرسودہ رسمیں کب پیچھا چھوڑیں گی ہمارا۔ لیکن تم ایسا کیسے سوچ سکتے ہو سیفی۔'' اس کے بجھے بجھے سے انداز پر وہ قدرے اکتا کر بولی تھی' جواب میں ایک پھیکی سی مسکراہٹ سفیر علی خان کے اداس لبوں پر بکھر گئی۔

''کیوں...... میں نے کچھ غلط کہا ہے' اور پھر آپ کے ہاں بھی تو غیر کاسٹ میں شادی نہیں کی جاتی۔''

''ہماری بات اور ہے سیفی' لیکن میں دل سے ان فضول رسوم کو نہیں مانتی۔ بہرحال تم فوراً مجھے اس لڑکی سے ملواؤ' میں خود اس سے اور اس کے گھر والوں سے بات کروں گی۔'' وہ کسی قدر ایموشنل ہوئی تھی جب کہ اداس سفیر علی نے ہوش کا دامن پکڑ لیا تب ہی وہ چٹان سے اتر کر اس کے روبرو کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''پلیز چھوڑیں ناں ایمان جی۔ اور یہ بتائیں کہ آپ مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہیں......؟ کیوں ملنا پسند نہیں کرتیں......؟ میں اتنا برا تو نہیں ہوں......''

اس کے سادہ سے لہجے میں کچھ تھا کہ جو دل کو جکڑ لیتا تھا تب ہی وہ نگاہیں چراتے ہوئے بولی۔

''میری شادی ہو رہی ہے سیفی...... بس اسی لیے انکل اور آنٹی چاہتے ہیں کہ میں محتاط رہوں اور دنیا کو کسی بھی قسم کی الزام تراشی کا موقع نہ دوں' لیکن خدا گواہ ہے سیفی...... کہ میرا دل تمہارے لیے بالکل صاف ہے' تم خواہ کہیں بھی رہو' میں ہر پل تمہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہوں۔'' خلوص بھرے لہجے میں وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی لیکن سفیر علی خان کی سماعتیں تو جیسے کچھ سننا ہی بھول گئی تھیں۔ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ وہ کتنی حیرانی سے خوب صورت ایمان ہمدانی کو دیکھ رہا تھا جو بالکل پاس ہو کر بھی میلوں کے فاصلے پر دکھائی دینے لگی تھی تب فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھالا' پھر بمشکل دھیمے لہجے میں بولا۔

''وہ...... میرا ایک پروگرام شروع ہونے والا ہے' مجھے اس میں شرکت کرنی ہے۔ میں چلتا ہوں ایمان جی' آپ پلیز اپنا بہت خیال رکھیے گا۔'' کہنے کے ساتھ ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا جب کہ حیران سی ایمان ہمدانی وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔

♥♥♥♥

ہم تھے جن کے سہارے' وہ ہوئے نہ ہمارے
ڈوبی جب دل کی نیا' سامنے تھے کنارے
یوں تو دنیا بسے گی' تنہائی پھر بھی ڈسے گی
جو زندگی میں کمی تھی' وہ کمی تو رہے گی
ہم تھے جن کے سہارے' وہ ہوئے نہ ہمارے

درد سے نڈھال' غم سے ڈوبی آواز میں پلکیں موندے وہ اردگرد سے قطعی بے نیاز ہو کر گا رہا تھا اور نیچے اس کے ہزاروں مداح جیسے اس کی آواز کے سحر میں جکڑے جا رہے تھے۔ اس کا انداز اتنا نکھرا ہوا تھا کہ بہت سی لڑکیاں تو باقاعدہ رو بھی پڑی تھیں لیکن وہ کسی کی سمت نہیں دیکھ رہا تھا۔

ہے سبھی کچھ جہاں میں' دوستی ہے وفا ہے
اپنی ہی کم نصیبی' ہم کو نہ کچھ بھی ملا ہے

ہم تھے جن کے سہارے وہ ہوئے نہ ہمارے

میوزک ہال کے ساکت ماحول میں اس کی پُردرد آواز سریلی گھنٹیوں کی مانند گونج رہی تھی۔ کتنی نگاہیں تھیں جو اشتیاق سے اس پر جمی ہوئی تھیں کتنے ہی دل تھے جو اس سے محض آٹوگراف لینے کے لیے مچل رہے تھے لیکن وہ سب سے بے نیاز اپنے ہی غم میں چُور گنگنا رہا تھا اور اس کے اس انداز پر اس کے مداحوں کی گویا جان نکل رہی تھی پھر جب شو کے ختم ہونے کے بعد وہ میوزک ہال سے باہر آیا تو لوگوں کا ایک جم غفیر تھا جس نے اسے اپنے گھیراؤ میں لے لیا۔ لڑکیاں اس کے دیدار کے لیے مچلی جارہی تھیں لیکن وہ سب سے ایکسکیوز کرتا اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

دل کا درد تھا کہ تھم ہی نہیں رہا تھا آنکھ کے آنسو تھے کہ روکے نہ رک رہے تھے کیسی عجیب بے بسی تھی کہ وہ لاکھوں لوگوں کے درمیان رہ کر بھی خود کو ایک دم اکیلا محسوس کررہا تھا۔

گو درد کے ساتھ اس کا پرانا واسطہ رہا تھا یہ کوئی سال دو سال کی کہانی نہیں تھی بلکہ پچھلے ستائیس سالوں سے وہ دکھ سے منسلک رہا تھا۔ شاید اس وقت سے ہی کہ جب شعور سنبھالنے پر اسے یہ معلوم پڑا کہ وہ لاوارث خانے میں پلنے والا ایک لاوارث وجود ہے ایک ایسا لاوارث وجود کہ جس کی ولدیت کے خانے میں کسی عورت یا مرد کا کوئی نام ہی درج نہیں تھا۔ لاوارث خانے میں ہی اسے کسی نے بتایا تھا کہ جب وہ محض تین یا چار سال کا تھا تو کوئی عورت اسے لاوارث خانے کی سیڑھیوں پر روتا چھوڑ گئی تھی اور وہ پوری رات روتے روتے وہیں لاوارث خانے کی سیڑھیوں پر سوگیا تھا۔ صبح جب خاکروب جھاڑو دینے آیا تو اس نے ادارے والوں کو اس کے وجود کی طرف توجہ دلائی تھی اور تب سے زندگی کے انیس سالوں تک وہ لاوارث خانے کے تکلیف دہ ماحول میں ہی پلتا رہا تھا پھر جب اس زندگی سے دل اچاٹ ہوگیا تو وہ لاوارث خانے سے نکل آیا اور ایک ورکشاپ میں مزدوری کرنے لگا وہیں اس نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور اپنی ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے پھر اس نے چھٹی جماعت سے لے کر بارہویں جماعت تک کا سفر آسانی کے ساتھ طے کرلیا۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور اردو کو جاننا وہ کافی حد تک لاوارث خانے میں سیکھ چکا تھا پھر ورکشاپ کا مالک بھی بہت رحم دل تھا۔ اس نے کبھی سفیر علی خان کی ترقی کی راہ میں بے وجہ روڑے نہیں اٹکائے اور اسے ہر ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ پڑھنے میں رہنمائی فراہم کرتا رہا پھر جس وقت اس نے انٹر کا امتحان بھی کلیئر کرلیا اور اپنا کام بھی اچھی طرح سے سیکھ گیا تو ایک روز اچانک ہی ایمان کے پاپا احمد ہمدانی صاحب سے ٹکراؤ ہوگیا۔ وہ اس کی شرافت اور محنت سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ورکشاپ والے سے تمام معاملات طے کرکے اسے ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ ہمدانی ہاؤس ہی لے آئے لیکن یہاں بھی بدنصیبی نے سفیر علی خان کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس کے سر پر سے احمد ہمدانی صاحب کا سایہ بھی اٹھ گیا۔

تاہم اس عرصے میں وہ بری طرح سے ایمان ہمدانی کا اسیر ہوکر رہ گیا۔ سرخ و سفید رنگت سیاہ گھنے اور لمبے بالوں والی وہ پیاری سی لڑکی پہلی ملاقات میں ہی اسے بے قرار کرگئی اور وہ ہمدانی ہاؤس میں بسر ہونے والی پہلی رات کو ہی دیر تلک اس کے بارے میں سوچتا رہا اور اس کی باتیں یاد کرکر کے خود ہی مسکراتا رہا تاہم اس کا سامنا ہونے پر وہ اپنی ذات پر سنجیدگی اور لاتعلقی کا خول چڑھالیتا تاکہ گستاخ آنکھیں دل کی بے قراریوں کا حال اس پر کھولنے سے باز رہیں۔

ورنہ جس روز وہ شاپنگ ہال کے سامنے پھسل کر گری تھی اور سفیر علی خان نے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا کر گاڑی تک پہنچایا تھا اس روز پوری رات اسے اپنے ہی وجود سے اٹھنے والی خوشبو بے قرار کرتی رہی اس پوری رات اس نے بے شمار خواب دیکھے اور دل کی بے تاب دھڑکنوں کا شور سنا۔

پھر اگلے روز جب وہ بارش میں بھیگ کر بخار کا شکار ہوگیا تھا اور ایمان نے اسے زبردستی بستر پر لٹا کر اپنا سرد ہاتھ اس کی جلتی پیشانی پر دھرا تھا اس وقت ایک عجیب سی راحت اس کے اندر تک اتر آئی تھی اور دل کی بے قراری اس نہج تک پہنچ گئی تھی کہ وہ چاہ کر بھی خود کو سنبھال نہ پایا۔ عجیب سرشاری اور بے بسی کی کیفیت تھی لاکھ وہ دل کو سمجھاتا اپنی حیثیت اور ایمان ہمدانی کا مرتبہ باور کراتا لیکن پگلا دل اپنی ہی بات منوا رہا تھا تب نڈھال ہوکر اس نے اپنے آپ کو پیاری سی ایمان ہمدانی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ورنہ اپنے کمرے میں اس کی موجودگی پھر اس کی تیمارداری وہ بھلا کیسے یہ احسان گوارہ کرسکتا تھا جب کہ اس میں پرخلوص ایمان ہمدانی کی رسوائی کا خدشہ بھی تھا لیکن دل تھا کہ یہ نزاکتیں سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔ نتیجتاً وہ اسے اپنی خدمت کرنے سے روک ہی نہ پایا یہاں تک کہ خواب لمحوں کا اختتام ہوگیا۔

اس نے آج تک کبھی کسی لڑکی کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن بے رحم زندگی پہلی مرتبہ اسے جس لڑکی کے سامنے لائی وہ اسے دیکھ کر گویا خود کو ہی بھول گیا۔ تب ہی تو خواہ کتنی ہی تھکن کتنی ہی مصروفیت کیوں نہ ہوتی وہ اس کی قربت کا کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا لیکن قربتوں کے یہ لمحے بھی بھلا دیر تلک کہاں گرفت میں رہ سکے تھے اس کی اور وہ ایک مرتبہ پھر عرش سے فرش پر آ گیا تھا۔

گو آج اس کا ایک نام تھا ایک پہچان تھی آج کروڑوں لوگ تھے جو اس کی ہنسی کے ساتھ ہنستے تھے اور اس کے آنسوؤں کو دیکھ کر آنسو بہاتے تھے۔ گو آج لاکھوں ہاتھ اسے تھامنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے لیکن کتنی عجیب بات تھی کہ صرف ایک لڑکی کو کھودینے کا تصور اسے ہزاروں لوگوں کے درمیان بھی ایک دم اکیلا کررہا تھا اور یہ اکیلا پن آج آنسو بن بن کر اس کی آنکھوں سے بہہ بھی رہا تھا۔

شب کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے۔ اردگرد سڑکوں پر لوگوں کی چہل پہل میں قدرے کمی آنے لگی تھی۔ دھیرے دھیرے سردی کا احساس بھی بڑھ رہا تھا جب کہ دور آسمان پر ہزاروں تاروں کی جھرمٹ میں جگمگاتا چاند اس کے اکیلے پن پر مسکرا رہا تھا۔

دل کا درد تھا کہ ہر گزرتے پل کے ساتھ بڑھتا ہی جارہا تھا اور وہ بے بسی کے شدید احساس سے مغلوب نجانے کتنی دیر تلک گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا چپ چاپ آنسو بہاتا رہا کتنی بے بسی تھی کہ آج جس کی محبت یوں اسے بے حال کررہی تھی۔ وہ اس کے سامنے اپنی محبت کا اظہار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اسے اپنے دل کی داستان ہی نہیں سنا سکتا تھا۔

اس رات ایک مرتبہ پھر اس نے بہت آنسو بہائے تھے تب ہی اگلے کچھ روز تک اس کی طبیعت نڈھال رہی۔

♥♥♥♥

اپنوں میں مجھے کوئی بھی اپنا نہیں ملتا
اس بھیڑ میں لوگوں کو شناسا نہیں ملتا
حالات کے چکر میں پھنسی ہے میری کشتی
ساحل پہ پہنچ کے بھی کنارہ نہیں ملتا

کیپٹن شجاع آفندی گزشتہ دنوں پاکستان شفٹ ہوچکا تھا اور اسی سلسلے میں اس نے اپنے خاص خاص احباب کے لیے ایک شان دار پارٹی ارینج کی تھی جس میں ہمدانی ہاؤس کے مکینوں کی شرکت بھی لازمی تھی۔ ایمان کی کیپٹن شجاع آفندی سے شناسائی بہت پرانی تھی۔ آج سے تقریباً دس گیارہ سال قبل جب وہ محض تیرہ چودہ سال کی تھی تو شجاع اکثر ان کے گھر آتا جاتا رہتا تھا کبھی تعلیم میں ہیلپ کے لیے تو کبھی کھیلوں سے متعلق بات چیت کے لیے۔ وہ ہمیشہ احمد ہمدانی صاحب کو ہی پکڑتا تھا اور انہیں بھی شجاع سے بہت لگاؤ تھا تب ہی ہر بار وہ اپنی اہم سے اہم مصروفیت کو پس پشت ڈال کر اس کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے۔

بچپن میں جب جب ایمان کا سامنا شجاع سے ہوتا

تھا وہ ہمیشہ اسے دیکھ کر احمد ہمدانی کے پیچھے چھپ جاتی تھی' نجانے کوئی ڈر تھا' جھجک تھی یا کچھ اور...... تاہم وہ ہمیشہ خوبرو سے شجاع آفندی کا سامنا کرنے سے کتراتی تھی۔ نجانے کیوں اسے دیکھتے ہی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوجاتی تھیں۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک اٹھتے' ہاتھ پاؤں پھول جاتے اور ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ جاتیں۔ بہت دنوں تک اپنی اس کیفیت سے وہ خود بھی بے خبر رہی تھی تاہم جلد ہی اس پر یہ راز منکشف ہوگیا کہ شجاع آفندی اسے اچھا لگنے لگا ہے اور وہ بے اختیار ہی سہی لیکن اس کے بارے میں سنجیدہ ہونے لگی ہے۔

اس خوب صورت راز کے منکشف ہونے کے بعد تو اس کا حال اور بھی برا ہوگیا اور وہ تصور میں ہی شجاع کے متعلق سوچ کر بے حال ہوجاتی۔ ایسے ہی ایک روز جب وہ اپنے لان میں چنبیلی کا پودا لگا رہی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے کہ اچانک کہیں سے شہد کی مکھیوں کا جھنڈ آ گیا اور وہ ان سے گھبرا کر جو بھاگی تو پورچ کے قریب بے حد خوب صورت سے شجاع آفندی کی تیز رفتار گاڑی کے نیچے آتے آتے بچی۔ وہ تو خدا کا کرم ہوگیا کہ شجاع نے فوراً بریک پر پاؤں رکھ دیئے تھے وگرنہ بدحواس سی ایمان ہمدانی کا کچلے جانا لازمی تھا' تب ہی وہ گاڑی سے باہر نکلا تو اس کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا ہوا تھا جب کہ پہلے سے خوف زدہ ایمان ہمدانی مزید نروس ہوگئی۔

''یہ کیا تماشہ تھا ایمان......؟ ابھی اگر تم کچلی جاتیں تو......؟'' اپنا سخت ہاتھ اس کے نازک سے بازو میں گاڑے وہ درشتگی سے پوچھ رہا تھا جب کہ مجرم بنی کھڑی ایمان ہمدانی کے لیے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھنا گویا عذاب ہوگیا' پھر اسی پل شیطان مکھیاں بھنبھناتی ہوئی وہاں بھی پہنچ گئیں اور ان مکھیوں کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھ کر چیختے ہوئے وہ شجاع آفندی سے ہی لپٹ گئی۔ اس وقت مارے ڈر کے اس کا برا حال تھا اور وہ بیری کے پتے کی مانند کپکپا رہی تھی جس پر بے ساختہ ہی سنجیدہ سا شجاع آفندی دھیمے سے مسکرادیا' پھر مکھیوں کے وہاں سے ٹلتے ہی اس نے آہستگی سے ایمان ہمدانی کو خود سے الگ کیا اور اس کی خوف زدہ سی بڑی بڑی آنکھوں میں شرارت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''بھئی واہ' ان جادو کی مکھیوں نے تو کمال کردیا' اب دیکھو ناں' کہاں تو تم میرا سامنا کرنے پر بھی آمادہ نہیں تھیں اور کہاں اب خود ہی مچل کر میری بانہوں میں آ چھپیں۔ ہاؤ ونڈر فل......'' صاف اس کا مذاق اڑاتے ہوئے وہ شرارت سے مسکرایا تھا' جس پر ایمان نے گھور کر اس کی سمت ناراضگی سے دیکھا پھر تپتے ہوئے لہجے میں شٹ اپ کہہ کر وہاں سے بھاگ گئی جب کہ مسرور سے شجاع آفندی کے بلند و بانگ قہقہے نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔ اسی طرح ایک روز جب وہ لاؤنج میں بیٹھی اپنے نوٹس کی تیاری کررہی تھی تو وہ دبے پاؤں چلتا بنا آہٹ کیے اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ پھر لہجے کو حد درجہ سیریس بناتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا۔

''یہ لو ایمان' انکل نے تمہارے لیے گولڈ کی رنگ بھیجی ہے' کہہ رہے تھے گھر جاتے ہوئے تمہیں پکڑا دوں' لو پکڑو اسے۔''

اپنے کام میں مشغول سادہ سی ایمان کے لیے تو اس کی بے وقت آمد ہی اچھنبے کا باعث تھی' کجا کہ اس کی غیر متوقع بات۔ تاہم پھر بھی اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا' جس پر خوبرو سے شجاع آفندی نے اگلے ہی پل زندہ کاکروچ رکھ دیا جسے دیکھ کر ایمان کی تو چیخ نکل گئی اور وہ ہاتھ جھٹک کر فوراً صوفے پر چڑھ گئی جب کہ شجاع کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ پھر زمین پر بے یار و مددگار چلتے ہوئے کاکروچ کو اٹھا کر ایمان پر پھینکنے لگا اور اس نے چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا وہ تو صد شکر کہ گھر میں اس وقت کوئی نہیں تھا وگرنہ نجانے شجاع کا یہ مذاق کیا رنگ لاتا۔

''او مائی گاڈ...... کیا عجیب سی ہو تم بھی؟ بھلا یہ چھوٹا سا کاکروچ تم جیسی اونچی لمبی دوشیزہ کو کتنا نگل سکتا ہے' خود ہی سوچو تم۔'' اسے چیخ چیخ کر روتے دیکھ کر وہ بے حد

محظوظ ہوتے ہوئے بولا تھا جب کہ ایمان ابھی تک صوفے پر چڑھی کانپ رہی تھی۔

"ایمان...... فارگاڈ سیک یار' نیچے اترو اور میرے لیے چائے پانی کا بندوبست کرو۔ آئی پرامس' اب میں دوبارہ تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔"

کاکروچ پھینک کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے اس نے صلح جُو انداز میں کہا تھا لیکن خاموش کھڑی ایمان نے اب بھی اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی تو وہ چڑ کر آگے بڑھا پھر اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا کر نیچے زمین پر اتار دیا۔

"کم آن...... چلو چائے بناؤ میرے لیے۔"

"مجھے چائے بنانی نہیں آتی۔"

اس کے حکمیہ انداز پر بمشکل ایمان نے لب کھولے تھے۔ جواب میں وہ ایک خفا خفا سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے واپس پلٹ گیا پھر تھوڑی دور جا کر واپس پلٹا اور ایمان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔

"ایمان...... تمہارے پاؤں میں کاکروچ......"

اس کے کہنے کی دیر تھی کہ ایمان پھر سے چیخ کر صوفے پر چڑھ گئی جب کہ وہ ایک مرتبہ پھر کھل کھلاتے ہوئے لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ یادوں کی پٹاری میں ایسی کتنی ہی دلفریب یادیں تھیں' جو خوبرو سے شجاع آفندی سے جڑی ہوئی تھیں۔ ایمان کو لاکھ بھلا کر بھی وہ دن وہ لمحے کبھی نہیں بھولتے تھے کہ جب اس کے خوابوں کا راج کمار شجاع آفندی اپنے والدین کے ساتھ ایک لمبے عرصے کے لیے پاکستان سے ناروے شفٹ ہو گیا اور پیچھے وہ روتی سسکتی رہ گئی۔ وہ تو تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کے اکیلے پن اور اداسی کا خیال کرتے ہوئے اس کے پاپا نے سفیر علی خان کو اپائنٹ کر لیا وگرنہ شاید وہ شجاع کی جدائی کو اپنے جیون کا روگ ہی بنا لیتی کیوں کہ اس نے ناروے جا کر ان لوگوں سے بہت کم رابطہ رکھا تھا' یہاں تک کہ احمد ہمدانی صاحب کی رحلت پر بھی وہ پاکستان نہیں آیا تھا اور یہیں سے ایمان کے دل میں شجاع آفندی کے لیے سرد مہری کی دراڑ پڑی تھی جسے ایک مرتبہ پھر اس کے چچا پاٹنا چاہ رہے تھے اور وہ سوچ سوچ کر مسلسل الجھ رہی تھی۔

♥♥♥♥

"ایمان...... کہاں ہو بیٹی' کیا شجاع کی پارٹی میں نہیں چلنا؟"

وہ کھوئی کھوئی سی اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی دور آسمان پر نجانے کیا تلاش رہی تھی' جب نورین بیگم کی میٹھی آواز کانوں میں پڑی اور وہ چونک کر اپنے حواس میں واپس پلٹ آئی کہ جب سے اس نے اپنی جائیداد سے متعلق چپ سادھی تھی تب سے ہی اس کے چچا اور چچی دونوں کا رویہ اس کے ساتھ بے حد مشفقانہ ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے ایمان بیٹی...... تم ابھی تک تیار کیوں نہیں ہوئیں؟" اسے سادہ سے حلیے میں خاموش پا کر وہ پھر سے گویا ہوئی تھی' جواب میں ایمان نے سرسری سے انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے رخ پھیر لیا پھر قدرے دھیمی آواز میں بولی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا آنٹی' پلیز آپ لوگ ہی چلے جائیں۔"

"ارے ایسے کیسے چلے جائیں......؟ اس نے اسپیشلی تمہیں انوائٹ کیا ہے' چلو شاباش' جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"لیکن آنٹی......"

"کوئی لیکن ویکن نہیں۔ ہری اپ' دو منٹ میں تیار ہو کر نیچے آ جاؤ' میں ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی نکلواتی ہوں۔" اس کے کسی بھی قسم کے احتجاج کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے قطعیت سے کہا پھر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ اس کے کمرے سے باہر نکل گئیں تو مجبوراً ایمان ہمدانی کو تیار ہونا ہی پڑا۔

پھر جس وقت وہ لوگ شجاع آفندی کی شان دار پارٹی میں پہنچے' محفل اپنے عروج پر تھی اور وہ دور دوستوں کے جھرمٹ میں کھڑا' کسی بات پر کھل کھلا کر ہنس رہا تھا۔ گزرتے وقت نے اسے مزید حسن اور وجاہت عطا کی

تھی اور اس وقت وہ سیاہ ڈنر سوٹ میں حد درجہ خوب صورت دکھائی دے رہا تھا۔ آج دس سال کے طویل عرصے کے بعد اسے دیکھ کر ایمان ہمدانی کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو گئی تھیں جب کہ پورے جسم پر ایک عجیب سا لرزہ طاری ہو کر رہ گیا' تب ہی وہ اپنے قدم مزید آگے نہ بڑھا پائی اور وہیں رک کر ٹکر ٹکر محویت کے عالم میں اسے دیکھتی رہی' جواب توصیف ہمدانی اور نورین بیگم کو سامنے پا کر خوشی سے کھل اٹھا تھا اور قدرے مضطرب نگاہوں سے ان کے ساتھ کسی اور وجود کو بھی تلاشنا چاہا تھا' تب ہی قدرے بدگمان سی ایمان ہمدانی کے سارے شکوے گلے ایک ساتھ دم توڑ گئے اور وہ پرسکون ہو کر دھیمے سے مسکرا اٹھی۔

"تو تم آج بھی مجھے بھلا نہیں سکے شجاع' تمہیں آج بھی میری تلاش ہے۔ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے' ہاں یہی سچ ہے۔" نہایت سرشاری کے عالم میں آپ ہی آپ اس نے سوچا تھا۔ پھر ایک دھیمی سی مسکان اگلے ہی پل اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ عین اسی پل خوب صورت سے شجاع آفندی کی نگاہ اس پر پڑی اور وہ سب سے ایکسکیوز کرتا بڑی بے تابی سے اس کی سمت بڑھا تھا۔

"ہیلو...... کیسی ہو ایمان؟" عین اس کے مقابل کھڑے ہو کر اس نے اپنائیت سے پوچھا تھا' جواب میں وہ جو اس کی شخصیت کے سحر میں بری طرح سے کھوئی تھی ایک دم چونکتے ہوئے قدرے غائب دماغی سے بولی۔

"ہاں...... وہ...... مم...... میں ٹھیک ہوں' آ...... آپ کیسے ہیں......؟"

"تمہارے سامنے کھڑا ہوں' خود ہی دیکھ لو۔" اس کے گم صم سے انداز پر وہ دھیمے سے مسکرایا تھا' جب کہ ایمان نے اپنی نگاہیں جھکا لی تھیں۔

"ایمان! آر یو اوکے؟" اسے خاموش پا کر وہ قدرے فکرمندی سے بولا تھا' جواب میں مضطرب سی ایمان ہمدانی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم بہت بدل گئی ہو ایمان...... کم از کم بچپن میں تو تم بالکل ایسی نہیں تھیں' یقیناً احمد انکل کی جدائی نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے' ہے ناں......؟" وہ چپ رہنا کہاں جانتا تھا' تب ہی ایک اور سوال داغ دیا اس پر۔ جواب میں گم صم سی ایمان ہمدانی نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"فارگاڈ سیک یار...... کچھ تو بولو' کوئی تو بات کرو' وگرنہ میں سمجھوں گا کہ مجھے گیارہ سال کے بعد بھی اپنے سامنے پا کر تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی۔"

"نن...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس کے ایموشنل لہجے پر فوراً ہی سر اٹھاتے ہوئے اس نے وضاحت کی تھی' جواب میں وہ اس کی معصومیت پر کھل کھلا کر ہنس پڑا' پھر قدرے سنبھل کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آئی ایم سوری امی کہ میں چاہ کر بھی پچھلے گیارہ سالوں میں تم سے کوئی رابطہ نہ رکھ سکا' ایکچولی حالات ہی کچھ ایسے بن گئے تھے کہ میں الجھ کر رہ گیا' نیا ملک' پھر تعلیمی مصروفیات' بعد میں پاپا کی علالت کے بعد ان کے کاروبار کی دیکھ بھال' غرض کہ ہزار جھمیلوں میں جان الجھ گئی تھی۔ بحرحال' توصیف انکل کی معرفت مجھے احمد انکل کی اچانک ڈیتھ کا پتہ چلا تھا' تم یقین کرو ایمان مجھے جتنا دکھ خود اپنے پاپا کی رحلت سے ہوا ہے اتنا ہی دکھ احمد انکل کی اچانک وفات کا سن کر ہوا' خدا ان کی مغفرت فرمائے۔ میں' کبھی انہیں فراموش نہیں کر سکوں گا۔" اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں وہ کہہ رہا تھا جب کہ خاموش کھڑی ایمان کی جھیل سی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"یہ کیا ایمان...... تم اب بھی رو رہی ہو' دیکھو اب تو میں آ گیا ناں' اب میں کبھی تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔" ایمان کی نم پلکیں دیکھ کر بہت اپنائیت کے ساتھ اس نے کہا تھا پھر اپنے ہاتھوں سے اس کی بھیگی پلکیں صاف کر کے وہ دھیمے سے مسکرایا اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے فرینڈز سے ملوانے کے لیے لے گیا۔

زندگی ایک دم سے ہی کتنی خوب صورت ہو گئی تھی'

www.paksociety.com

نیلے پانیوں کا سفراب اس کی مسرتوں کا عنوان بن گیا تھا اور وہ بات بے بات مسکرانے لگی تھی۔

اس روز شجاع کا ارادہ اسے مووی دکھانے کا تھا' لیکن ایمان کو چونکہ فلموں سے قطعی دل چسپی نہیں تھی لہٰذا اس نے فلم دیکھنے سے انکار کردیا' تب ہی وہ اسے لے کر سفیر علی خان کے میوزک ہال میں چلا آیا جہاں اس وقت اس کے مداحوں کی ایک لمبی قطار ٹکٹ ملنے کے انتظار میں کھڑی تھی۔

''او گاڈ...... یہاں اتنی لمبی قطار دیکھ کر تو لگتا ہے کہ اگلے تین' چار گھنٹوں تک ہماری باری نہیں آئے گی۔ لگتا ہے ہمیں واپس گھر ہی چلنا پڑے گا۔ ویسے بھی' سفیر علی خان کو دیکھنا اور گاتے ہوئے سننا بھلا اتنا سہل کہاں ہے؟ عجیب غضب کا سنگر ہے یار...... جب بھی کچھ گاتا ہے' سننے والوں کا قرار لوٹ لیتا ہے' مدہوش کردیتا ہے انہیں' ویسے تم نے تو اسے سنا ہی ہوگا' ہے نا......؟''

وہ سفیر علی خان کا بہت بڑا فین لگ رہا تھا' تب ہی اس کی تعریف میں رطب اللسان اس نے اچانک ہی ایمان سے پوچھا تو وہ قدرے گڑبڑا گئی' پھر خود کو سنبھالتے ہوئے قطعی لہجے میں بولی۔

''نہیں...... مجھے میوزک سے کوئی دل چسپی نہیں' اس لیے میں نے کبھی اسے نہیں سنا۔''

''او مائی گاڈ...... بہت عجیب لڑکی ہو تم بھی' کسی چیز سے دل چسپی نہیں ہے تمہیں' پتہ نہیں میرا کیا بنے گا۔'' سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ قدرے چڑ کر بولا تھا۔ جواب میں خاموش کھڑی ایمان ہمدانی دھیمے سے مسکرا کر رہ گئی۔ عین اسی لمحے سفیر علی خان کی گاڑی ان کے قریب سے گزری اور اگلے پانچ منٹ میں میوزک ہال کا سربراہ ہاتھ میں پاس لیے ان سے کہہ رہا تھا۔

''میڈم! اندر پروگرام شروع ہونے والا ہے' یہ پاس لیجیے اور جلدی سے تشریف لے آئیں' فرسٹ لائن میں آپ کی سیٹیں بک ہوچکی ہیں۔''

ایمان' سفیر علی خان کے اس اقدام سے جتنی جزبز ہوئی تھی' اتنا ہی شجاع آفندی کی آنکھیں حیرت و مسرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں تاہم اس نے وقت ضائع کیے بغیر جلدی سے ایمان کا سرد ہاتھ تھاما' پھر ہال کے سربراہ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ اسی کی ہمراہی میں اپنی سیٹ پر آ بیٹھا' جو اسٹیج کے بالکل قریب تھی اور جہاں اس وقت مختلف جگمگاتی روشنیاں آنکھوں کو چندھیا رہی تھیں۔

''دوستو! زندگی میں ہر انسان کسی نہ کسی سے پیار کرتا ہے' دل کی گہرائیوں سے ٹوٹ کر کسی کو چاہتا ہے اور ضرورت پڑنے پر خدا سے رو رو کر اپنی محبت کے حصول کی دعائیں بھی مانگتا ہے اور پھر جب وہ بزرگ و برتر اس کی دعائیں سن لیتا ہے تو مارے خوشی کے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے۔ وہ ہواؤں میں اڑتا ہے اور پھولوں سے باتیں کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے جب کسی کو اس کا محبوب نہیں ملتا تو اس کا دل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوجاتا ہے اور اس کے جسم کا ایک ایک عضو درد کے دریا میں ڈوب کر بکھر جاتا ہے' پھر اس کے ٹوٹے ہوئے دل سے ہر پل' ہر لمحے صرف ایک ہی آواز آتی ہے کہ

دل دیتا ہے رو رو دہائی' کسی سے کوئی پیار نہ کرے
بڑی مہنگی پڑے گی یہ جدائی' کسی سے کوئی پیار نہ کرے
کچھ تو پیار نے پاگل بنایا اور کچھ زندگی نے بھی ستایا
خوب اپنی ہوئی جگ ہنسائی' کسی سے کوئی پیار نہ کرے''

درد کے سُر میں ڈوب کر پلکیں موندے اور دونوں ہاتھوں میں مائیک تھامے وہ قطعی دیوانگی کے عالم میں گنگنا رہا تھا جب کہ ہال میں جہاں تھوڑی دیر پہلے اس کی اسٹیج آمد پر ہلچل مچی ہوئی تھی' ایک دم سے ہی سناٹا چھا گیا۔ ایمان کو وہ بہت کم زور اور بکھرا ہوا سا دکھائی دیا۔ آنکھوں میں پھیلی سرخی اور چہرے پر ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس کے اندر کا حال بخوبی اجاگر کررہی تھی لیکن اسے تو جیسے اپنی کوئی پرواہ ہی نہیں تھی۔

پھر جس وقت اس نے اپنا گیت ختم کیا' سحر میں ڈوبے لوگوں کا جوش و خروش ایک دم سے ہی جاگ اٹھا اور

پورا ہال تالیوں اور سیٹیوں کی پرزور آواز سے گونج اٹھا۔ مختلف لڑکیاں اور منچلے لڑکے دیوانہ وار اسٹیج کی طرف لپکے۔ اسی اثناء میں کوئی دیوانہ ایمان کے نازک سے پاؤں پر چڑھ گیا اور وہ درد سے بلبلا کر رہ گئی۔ تب ہی اس نے دیکھا کہ سفیر علی ہزاروں لوگوں کے جھرمٹ کو چیرتے ہوئے تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ پھر اس کے قریب پہنچ کر ایک زبردست طمانچہ اس لڑکے کے رسید کردیا کہ جس نے بے خبری میں ایمان ہمدانی کے پاؤں پر چڑھنے کی گستاخی کی تھی۔ شجاع اس کے بالکل قریب تھا لیکن وہ اس کی تکلیف کو محسوس نہ کرسکا جب کہ سفیر علی خان نے دور اسٹیج پر ہزاروں لوگوں کے جھرمٹ میں ہوتے ہوئے بھی اس پر سے ایک پل کے لیے بھی نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔

''یو اسٹوپڈ...... آپ دیکھ کر نہیں چل سکتے' کتنی زور سے آپ نے میرا پاؤں دبایا ہے۔'' وہ تو ابھی اس کے طمانچے سے ہی حیران ہورہی تھی کہ اس پر اس کے الفاظ نے اسے مزید شاک لگا دیا۔ تب ہی اس نے اپنا رخ گومگو کی کیفیت میں کھڑی ایمان ہمدانی کی طرف کیا' پھر کچھ پل نم آنکھوں سے اس کی سمت بغور دیکھا تو وہ کنفیوز ہوکر رخ پھیر گئی کہ شجاع ہمدانی کی موجودگی میں ہزاروں لوگوں کے بیچ تماشہ بنتا اسے قطعی گوارہ نہیں تھا۔

ٹھیک اسی پل سفیر علی خان' پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر بکھراتے ہوئے تھوڑا سا جھکا تھا اور وہ جی جان سے کانپ کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی' جواب عین اس پر جھکے بظاہر اس کے برابر والی لڑکی سے سرگوشانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔''

''تھینک یو۔''

لڑکی تو گویا اتنے بڑے سنگر کے اس خصوصی التفات پر بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی' تب ہی حیرانی سے آنکھیں پھیلائے خوشی سے بے حال لہجے میں کہا تو سفیر نے ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اپنا چہرہ پیچھے ہٹالیا پھر بڑے اجنبی سے انداز میں شجاع آفندی کو قطعی اگنور کرتے ہوئے اس نے دھیمے سے خاموش اور ہراساں کھڑی ایمان سے ایکسکیوز کیا اور بڑے بڑے اسٹیپ اٹھاتا اگلے ہی پل اسٹیج کے اس پار غائب ہوگیا۔

♥♥♥♥

تیرے درد سے دل آباد رہا
کچھ بھول گئے' کچھ یاد رہا' کچھ یاد رہا
جانِ وفا تجھ کو کیا دیں' دل کہہ رہا ہے دُعا دیں
ارماں بجھے ہیں سپنے بھول ہیں مر مر کے ہم تو زندہ یہاں ہیں
بے خودی میں ہم کھو گئے پھر جدا تم سے ہو گئے
چاہت کا جہاں برباد رہا' کچھ بھول گئے کچھ یاد رہا
کچھ یاد رہا...... کچھ یاد رہا

دن کے تقریباً تین بج رہے تھے' جب سفیر علی خان کے دیدہ زیب بیڈروم میں قدم رکھتے ہی اس کی دل چھو لینے والی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور وہ سر جھٹک کر اس کے بستر کے قریب چلی آئی جہاں وہ تیز بخار میں بے حال پڑا گنگنا رہا تھا اور ساتھ میں بری طرح سے رو بھی رہا تھا۔

''سیفی......'' ایمان کی مدھم سی پکار جونہی اس کی سماعتوں سے ٹکرائی' اس نے فوراً پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ پھر قطعی بے یقین لہجے میں پلکیں جھپک جھپک کر اس کی وہاں موجودگی کا یقین کرتا رہا اور جب نگاہوں کو اچھی طرح سے اس خوب صورت حقیقت کا یقین ہوگیا تو فرطِ مسرت سے بے حال' اگلے ہی پل ایک آسودہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

''ایمان جی...... آ...... آپ یہاں......؟ میرے غریب خانے پر......؟ یہ کمال کیسے ہوگیا آج......؟ بخدا مجھے تو اپنی بصارتوں پر یقین ہی نہیں آرہا ہے۔''

خوشی اس کے روم روم سے ظاہر تھی' تاہم ایمان نے فقط پھیکی سی ایک مسکراہٹ لبوں پر بکھیرتے ہوئے اجنبی انداز میں کہا۔

''آنا ضروری تھا سیفی' وگرنہ تمہیں میری خوشیوں میں

شامل نہ ہونے کا ایک اور بہانہ مل جاتا۔'' اس کے عجیب سے لہجے پر نڈھال سے سفیر علی خان نے کسی قدر چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا' جو اس کے اس طرح حیران ہونے پر بے ساختہ ہی کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''تم بھی ناں سیفی' بس ایک دم بدھو ہی ہو ارے پاگل میری شادی طے ہوگئی ہے۔ اگلے ہفتے تقریب ارینج کی جا رہی ہے' دیکھو تمہیں ہر حال میں آنا ہے۔ اگر تم نے کوئی عذر تراشا تو میں سچ مچ تم سے ناراض ہوجاؤں گی۔''

نہایت سرشار لہجے میں شگفتگی سے کہتے ہوئے وہ کتنی پرسکون دکھائی دے رہی تھی' جیسے سارے جہان کی خوشیاں سمٹ کر اس کے پاؤں تلے آ گئی ہوں لیکن اسی پل نجانے کیوں سفیر علی خان کا دل بکھر کر ریزہ ریزہ ہوگیا' پالینے کی موہوم سی امید کا آخری دِیا بھی گل ہوگیا' آنکھیں یکدم ہی دھندلا گئیں جب کہ سماعتوں میں جیسے سناٹے اتر آئے۔ اس روز پہلی مرتبہ اسے ایمان ہمدانی کے سامنے اپنا بھرم رکھنا دشوار ہوگیا اور وہ پھر سے بے آواز رو پڑا۔

''سیفی...... کیا بات ہے...... تم رو کیوں رہے ہو......؟ پلیز مجھے بتاؤ...... کیا تمہیں اپنے گھر والے یاد آ رہے ہیں؟'' وہ پریشان ہی تو ہوگئی تھی' تب ہی سفیر نے فوراً اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں' پھر بمشکل مسکراتے ہوئے بولا۔

''یہ آنسو تو خوشی کے آنسو ہیں ایمان جی' آپ کو آپ کی محبت مل گئی' اس سے وابستہ ساری خوشیاں مل گئیں' تو بتائیے بھلا میں آپ کی خوشی میں خوش کیوں کر نہیں ہوں گا۔''

''واقعی یہ بات تو ہے' ویسے اب تم بھی جلدی سے اپنی محبت کو منالو سیفی کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم فقط آنسو بہاتے ہی رہ جاؤ اور تمہاری محبت کسی اور کا نصیب بن کر تم سے بچھڑ جائے' تم سمجھ رہے ہو ناں میری بات۔'' قطعی پرخلوص لہجے میں اپنائیت سے اس نے کہا تھا' جواب میں درد سے بے حال سفیر علی خان نے چپ چاپ اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ارے ہاں' میں تو تمہیں بتانا ہی بھول گئی۔ وہ اس روز میں نے تمہاری ہی نوازش پر تمہارا جو شو دیکھا تھا ناں' بہت اچھا تھا' میرے ہونے والے میاں جی تو بہت بڑے فین ہیں تمہارے' لیکن میں نے مصلحت کے تحت ان کو بھی نہیں بتایا کہ میں تمہیں اتنا قریب سے جانتی ہوں اور تو اور' میرے انکل کے دونوں بچے' جو نیویارک پڑھنے کے لیے گئے ہوئے ہیں اور خاصے نک چڑھے ہیں' وہ بھی تمہیں بہت پسند کرتے ہیں سیفی...... تم نے تو واقعی آکاش کو چھولیا۔''

اس کے سادہ سے لہجے میں سفیر علی خان کے فن کے حوالے سے حد درجہ ستائش تھی' تب ہی ایک بے جان سی مسکراہٹ سفیر علی خان کے افسردہ لبوں پر رینگ گئی۔

''اوکے...... اب میں چلتی ہوں' تم اپنا خیال رکھنا اور شادی میں ضرور آنا' اوکے۔'' اگلے ہی پل اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے اس نے مصروف انداز میں کہا تھا' پھر ایک پرخلوص سی مسکراہٹ اس کے نڈھال سراپے پر ڈالتے ہوئے وہ اس کے بیڈروم سے باہر نکل آئی۔

♥♥♥♥

وقت تیزی سے اپنی مسافتیں طے کر رہا تھا اور بالآخر وہ دن بھی آ پہنچا جب ''ہمدانی ہاؤس'' میں شجاع آفندی اور ایمان ہمدانی کی شادی کی شہنائیاں گونج اٹھیں۔

رنگا رنگ قمقموں اور خوب صورت پھولوں سے سجا شان دار ہمدانی ہاؤس دید کے قابل نظر آ رہا تھا۔ کوئی اس وقت ایمان ہمدانی کے دل سے پوچھتا کہ وہ کیسے سرشار تھا' کیسے دونوں جہاں کی خوشیاں سمٹ کر اس کے قدموں تلے آ گئی تھیں' وہ مسکراہٹیں' وہ زندہ ہونے کا احساس' جو احمد ہمدانی صاحب کی رحلت کے بعد مفقود ہو چکا تھا' اب پھر سے زندہ جاوید ہوگیا اور وہ بات بے بات مسکرانے لگی۔

تاہم اس کی ان خوشیوں میں پہلی مرتبہ سفیر علی خان نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور بیماری کا عذر تراش کر ایک انمول گفٹ کے ساتھ معذرت ارسال کردی جس سے وہ دل بھر کر اس پر خفا ہوئی اور شادی کے فوراً بعد اس سے دو دو ہاتھ کرنے کا پروگرام بنالیا' پھر وہ خوابوں بھری رات بھی آ گئی کہ جس کے لیے ہر نوجوان لڑکی نجانے اپنے من میں کیا کیا سوچتی ہے۔

شجاع آفندی دوستوں وغیرہ سے فارغ ہوکر تقریباً دو بجے حجلہ عروسی میں داخل ہوا تھا' تب تک اس کی کمر تھک کر تختہ ہو چکی تھی لیکن وہ ہر قسم کے احساس کو پس پشت ڈالے یوں سر نیہواڑے بیٹھی تھی گویا ابھی ابھی لاکر بٹھایا گیا ہو' اسے چند محبت سے بھرپور جملوں' تھوڑا سا سراہے جانے کا احساس' مچل مچل کر اس کے دل کی دھڑکنوں میں اودھم مچا رہا تھا' پھر جب شجاع دروازہ لاک کرنے کے بعد اس کے قریب بیڈ پر آ کر بیٹھا تو گویا اس کی تو جان ہی نکل گئی۔

شجاع کے نارویے جانے کے بعد اس نے تو یہ امید ہی چھوڑ دی تھی کہ وہ کبھی واپس پلٹ کر اس کی زندگی میں دوبارہ آئے گا۔ پھر یہ سوچ بھی دل کو مایوس کر ڈالتی تھی کہ اس کا پیار یکطرفہ ہے اور یکطرفہ پیار کی ناؤ قسمت سے ہی کنارے لگا کرتی ہے لیکن آج اس کے جذبوں کی جیت ہوگئی تھی۔ آج گیارہ سال انتظار کے بعد بالآخر اس نے اپنے محبوب کو پالیا تھا اور وہ اسی سرشاری میں مدہوش تھی۔ جب شجاع نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔

''وری نائس' سو بیوٹی فل...... مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ تم میری ہو چکی ہو ایمان۔'' پرشوق نگاہیں اس کے حسین سراپے پر جمائے وہ قطعی دیوانگی کے عالم میں کہہ رہا تھا اور ایمان کا دل جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہوگیا' سماعتوں میں جیسے امرت گھل گیا' ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

''میں اپنے نصیب پر جتنا بھی رشک کروں' کم ہے ایمان...... کیوں کہ اتنا خوب صورت ہمسفر تو نصیب والوں کو ہی ملتا ہے۔'' بے حد قیمتی بریسلٹ اس کی حنائی کلائی میں پہناتے ہوئے اس نے پھر مدہوش سُر دل میں سرگوشی کی تھی۔ جواب میں ایک شرگیں سی مسکراہٹ ایمان کے احمریں لبوں پر بکھر گئی اور اس نے بے حد شرما کر اپنا نازک سا ہاتھ شجاع کے لبوں پر رکھ دیا جسے اس نے فوراً اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیا اور ایمان کی ایک مرتبہ پھر جان پر بن آئی۔

''ایمان! تم کافی تھک گئی ہو ناں' پلیز لیٹ جاؤ۔ زندگی میں ایسی راتیں اور بہت آئیں گی' سو پلیز آرام کرلو' تب تک میں واش لے کر آتا ہوں۔''

عین عالم مدہوشی میں ایمان کی روشن پیشانی پر مہرِ محبت ثبت کرتے ہوئے کہا' پھر قریب ہی وارڈ روب سے اپنے لیے ایک نیا سوٹ نکال کر اس نے ہنستی مسکراتی ایک نظر حسن کا پیکر بنی ایمان ہمدانی کی طرف اچھالی اور اگلے ہی پل واش روم میں مقید ہوگیا۔

♥♥♥♥

وقت اپنی مخصوص رفتار سے رینگ رہا تھا اور وہ شجاع آفندی کے پیار میں پاگل اسی کے سنگ سنگ گویا ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ بات بات پر اس کے منہ کی طرف دیکھنا' اپنے ہاتھوں سے اس کی پسند کے کھانے بنانا' اس کے کپڑے خود پریس کرنا' اس کے جوتوں' موزوں اور ٹائیوں کا پورا پورا خیال رکھنا' اسے کتنا اچھا لگتا تھا' یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔

اس کے چچا توصیف ہمدانی صاحب اپنے شیڈول کے مطابق ایمان کی رخصتی کے اگلے ہی ہفتے پاکستان میں اپنی ساری پراپرٹی سمیٹ کر اپنے بچوں کے پاس نیویارک شفٹ ہوگئے اور وہ محل جیسے ہمدانی ہاؤس میں شجاع کے ساتھ بالکل اکیلی رہ گئی۔

اس روز شجاع کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی' پچھلے دو تین روز سے شام ڈھلتے ہی اسے ہلکا سا ٹمپریچر ہو جاتا اور وہ کچھ کھائے پیے بغیر ہی کمرے میں بند ہو کر رہ جاتا' جس سے ایمان کو بے حد پریشانی لاحق ہو جاتی' چنانچہ دو تین دن شجاع کی ضد کی نذر کرنے کے بعد چوتھے دن وہ بالآخر اسے اسپتال لانے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

ڈاکٹر میمونہ سے اس کی اچھی خاصی سلام دعا تھی لہٰذا ہوسپٹل پہنچنے کے بعد وہ سیدھی انہی کے روم میں چلی آئی جو غالباً ابھی ابھی کسی کیس سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئی تھیں تاہم ایمان کو دیکھ کر ان کے لبوں پر بڑی پرخلوص مسکراہٹ ابھری تھی اور انہوں نے ایمان کو گلے لگا کر پرمحبت انداز میں ویلکم کرنے کے بعد شجاع سے دعا سلام کی' پھر اس کا تفصیلی چیک اپ کرنے کے بعد مسکرا کر بولیں۔

''یہ تو بالکل ٹھیک ہیں ایمان' تم بھی ناں' سدا کی وہمی ہو۔ انکل کے لیے بھی ایسے ہی پریشان رہتی تھیں اور اب شجاع بھائی کے لیے بھی تمہاری فکریں دیکھنے لائق ہیں' تھوڑا بیلنس رکھو یار...... اس طرح تو تم اپنا نقصان کر بیٹھو گی۔''

''بالکل' میں بھی پچھلے تین روز سے ان کو یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر یہ ہیں کہ سمجھتی ہی نہیں۔'' ڈاکٹر میمونہ کے فوراً بعد ہی اس نے اپنی صفائی پیش کر ڈالی تھی۔ جواب میں سر جھکائے بیٹھی' پریشان سی ایمان' بس دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی کہ واقعی وہ اپنے پیاروں کو معمولی سی تکلیف میں مبتلا بھی نہیں دیکھ سکتی تھی اور ابھی وہ اپنی طرف سے نجانے کیا کہتی کہ اسی اثناء میں ڈاکٹر میمونہ کے روم کا دروازہ کھلا اور وائٹ یونی فارم میں ڈریس اپ ایک خوش شکل سی نرس کمرے کے اندر چلی آئی۔ پھر ڈاکٹر میمونہ سے ڈائریکٹ مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔

''میڈم...... وہ کمرہ نمبر 48 کے پیشنٹ سفیر علی خان کو ہوش آ گیا ہے۔''

نرس کے الفاظ نے جہاں ڈاکٹر میمونہ کو اطمینان بخشا تھا' وہیں ایمان ہمدانی اور شجاع آفندی کو بری طرح سے چونکا دیا' تب ہی شجاع نے فوراً بے قراری کے عالم میں پوچھا۔

''سفیر علی خان...... کہیں وہ معروف سنگر تو نہیں......؟''

گم صم سی ایمان ہمدانی کی جان اس سوال میں اٹک گئی تھی' جب ڈاکٹر میمونہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔

''بالکل...... یہ وہی سفیر علی خان ہیں' عرصے سے اسی ہوسپٹل میں ایڈمٹ ہیں' ایکچولی بہت زیادہ ڈرنک کرنے کی وجہ سے پرسوں رات ان کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ تو صد شکر کہ ان کے کسی مداح نے انہیں اس حال میں دیکھ لیا اور اٹھا کر ہوسپٹل لے آیا ورنہ عین ممکن تھا کہ پرسوں رات سڑک کے کنارے ہی ان کی ڈیتھ ہو جاتی۔'' کتنے نشتر تھے میٹھے لہجے والی ڈاکٹر میمونہ کے لہجے میں کہ اس کا پور پور گھائل ہو گیا۔ وہ جو کبھی اسے بہت عزیز رہا تھا' وہی آج زندگی اور موت کی دہلیز پر کھڑا لڑکھڑا رہا تھا اور اسے اس کی کوئی خبر ہی نہیں تھی۔

کتنی خودغرض ہو گئی تھی وہ......؟

ڈاکٹر صاحبہ...... کیا ہم ان سے مل سکتے ہیں' صرف تھوڑی دیر کے لیے۔'' اگلے ہی پل شجاع نے بے قراری سے کہا تھا' جواب میں ڈاکٹر میمونہ نے اطمینان کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ متوحش سی ہو کر خالی خالی سے ذہن کے ساتھ ان دونوں کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''وہ مجھے اپنے سامنے دیکھے گا تو کیا سوچے گا کہ میں کتنی خودغرض ہوں' جسے اپنی خوشیوں میں کھو کر اس کا کوئی خیال' کوئی خیر خبری ہی نہیں رہی' اس نے ہمیشہ میرا خیال رکھا لیکن میں نے...... میں نے کیا کیا؟''

خالی خالی سے ذہن کے ساتھ سوچتے ہوئے وہ شکستہ انداز میں چلتی شجاع آفندی اور ڈاکٹر میمونہ کے پیچھے پیچھے ہی سفیر علی خان کے کمرے تک چلی آئی جہاں وہ نگاہوں کے سامنے ہی سفید بستر پر پڑا' بہت بیمار دکھائی دے رہا تھا۔ خوب صورت غلافی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ گالوں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ کمزوری حد درجہ بڑھ گئی تھی اور اس کے دونوں گردے تیزی سے ناکارہ ہو رہے تھے جب کہ ہر روز اسے معمولی سا ٹمپریچر بھی رہنے لگا تھا۔ اس وقت وہ جس حال میں تھا اسے دیکھ کر ایمان کا دل بری طرح سے تڑپا تھا اور وہ اس کی سمت

دیکھتے ہوئے بے آواز سسک پڑی تھی۔

''یہ تمہیں کیا ہو گیا سیفی' کون سا روگ لگا لیا تم نے خود کو..... کیوں زندگی سے دور بھاگ رہے ہو تم؟'' مچلتے آنسوؤں کو خاموشی سے پیتے ہوئے اس نے من ہی من میں اس سے سوال کیا تھا' پھر پلکیں موند کر رو پڑی تھی جب کہ شجاع اس کے بستر کے قریب رکھی کرسی پر براجمان اس سے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہا تھا اور ڈاکٹر میمونہ اپنے لبوں پر پرخلوص سی مسکراہٹ سجائے اسے اپنا خیال رکھنے کی تلقین کر رہی تھیں۔ عین اسی پل اس پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا اور وہ کھانس کھانس کر بے حال ہو گیا' یہاں تک کہ غلافی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں تب ایمان کا شدت سے دل چاہا کہ وہ لپک کر آگے بڑھے اور اسے اپنی موجودگی کا احساس دلائے لیکن افسوس کہ وہ چاہنے کے باوجود بھی ایسا نہیں کر سکی اور وہیں کمرے کی دہلیز سے لپٹی دروازے کو پکڑے بے حال کھڑی رہی۔

شجاع اسے کندھوں سے پکڑے سنبھال رہا تھا۔ ڈاکٹر میمونہ فوراً پانی لینے کے لیے لپکی تھیں لیکن وہ اپنے نڈھال سراپے کے ساتھ وہیں کھڑی سب کچھ دیکھتی رہی تب ہی شدت سے کھانستے ہوئے سفیر علی خان کی نگاہ بالکل اچانک ہی اس پر پڑی تھی اور اس نے فوراً خود کو سنبھال لیا تھا' تب وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کمرے کے اندر آئی پھر بمشکل اپنے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''ٹھیک ہوں' مجھے کیا ہونا ہے۔'' اداس لبوں پر بڑی مدھم سی مسکراہٹ بکھری تھی' تب ہی وہ نگاہیں چراتے ہوئے بولی۔

''میمونہ بتا رہی تھیں کہ آپ ڈرنک بہت کرنے لگے ہیں' جس کی وجہ سے آپ کے گردوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ پھر آپ اپنا خیال بھی نہیں رکھتے جب کہ لاکھوں لوگ شب و روز آپ کی زندگی کے لیے دعائیں مانگتے ہیں' خود میرے شوہر آپ کو بہت پسند کرتے ہیں پھر آپ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے' کیوں خود پر درد کو اتنا حاوی کر رکھا ہے آپ نے؟'' نہایت محتاط لہجے میں گلہ کرتے ہوئے وہ کتنی عجیب لگ رہی تھی' کس قدر بے بس اور مجبور' جو اپنے شوہر کے سامنے اس سے اپنائیت کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''سوری...... میں آئندہ خیال رکھوں گا۔''

سر جھکائے وہ ہمیشہ کی طرح تابعدار لہجے میں بولا تھا۔ جواب میں ایمان کے افسردہ لبوں پر مطمئن سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تھینک گاڈ کہ انہوں نے تمہاری بات مان لی ایمان' ورنہ یہ تو کسی کی نہیں سنتے' یہاں تک کہ میری بھی نہیں۔'' اگلے ہی پل ڈاکٹر میمونہ نے مسکراتے ہوئے فریش لہجے میں کہا تھا' جس پر شجاع نے کس قدر فخریہ انداز میں ایمان کی طرف دیکھا۔

''سفیر صاحب' آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ آج یہاں ہم دونوں میاں بیوی کو آپ سے مل کر کس قدر خوشی ہو رہی ہے۔ میری بڑی خواہش تھی کہ میں زندگی میں ایک بار ضرور آپ سے ملوں اور خدا کے فضل و کرم سے آج میری یہ خواہش پوری ہوئی جس پر میں ازحد خوش ہوں لہٰذا اسی خوشی میں' میں آپ سے ریکویسٹ کرتا ہوں کہ کبھی موقع ملے تو پلیز آپ اپنا ایک شو ناروے میں ضرور کیجیے گا کیوں کہ میں اور میری وائف اگلے ہی ہفتے ناروے کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔''

خبر تھی یا کوئی طوفان کہ جس نے پل میں ہی نڈھال سے سفیر علی خان کی پوری شخصیت کو ہلا کر رکھ دیا۔ خالی خالی سے انداز میں کس قدر بے یقینی کے ساتھ اس نے ایمان کی طرف دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

''شجاع! بہت دیر ہو گئی ہے' میرے خیال میں اب ہمیں گھر چلنا چاہیے۔''

سفیر علی خان کی نگاہوں سے کنفیوز ہو کر اس نے فوراً شجاع سے کہا تھا' پھر میمونہ سے مل کر قدم واپسی کے لیے بڑھا دیے جب کہ وہ گم صم سی نگاہوں میں کچھ پل مزید

رک جانے کی التجا لیے بے بسی سے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو دیکھتا رہ گیا۔

زندگی بہت بے رحم ہوگئی تھی اب تو ایک ایک پل کا بار اٹھانا اس کے لیے دشوار ہو رہا تھا نجانے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ہی ایمان نے اس کا شہر چھوڑا اس کی سانسیں بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی۔

اگلے سات دن چٹکیوں میں گزر گئے۔ شجاع کی چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں لہٰذا اسے واپس ناروے جانا تھا' پھر ایمان ہمدانی سے اس کی اچانک شادی بھی صرف اور صرف اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ اس میں اس کے گھر والوں کی قطعی کوئی مرضی شامل نہیں تھی' یہاں تک کہ اس نے اپنی شادی کے متعلق انہیں کوئی اطلاع ہی نہیں دی تھی اور ایمان کو یہ سب کچھ معلوم تھا کیوں کہ شجاع کو پالینا تو اسے بھی اتنا ہی عزیز تھا' جتنا کہ خود شجاع کو' جس کے لیے اس نے اپنے گھر والوں کی مرضی کی پروا کیے بغیر' ایمان کو اپنی زندگی میں شامل کرلیا تھا اور اب اس کا ارادہ تھا کہ وہ پاکستان میں ایمان کی ساری پراپرٹی سمیٹ کر اسے ہمیشہ کے لیے ناروے ہی لے جائے' جہاں اس کی پرکشش جاب کے ساتھ اس کی فیملی بھی آباد تھی اور ایمان کو اس نے بتایا تھا کہ اس کی مما اس سے بہت پیار کرتی ہیں' لہٰذا وہ اس کی خوشی کے لیے ضرور ایمان کو قبول کرلیں گی' لیکن اس سب میں تھوڑا سا وقت لگے گا' تب تک ایمان کو شجاع کے ساتھ اس کے دوست کے گھر رہنا ہوگا اور ایمان نے اس کی محبت کے لیے یہ سب کچھ قبول کرلیا تھا۔ کیوں کہ احمد ہمدانی صاحب کی رحلت کے بعد وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگی تھی اور اب اس کی سب سے بڑی خواہش ایک بھری پری فیملی کے ساتھ رہنا ہی تھی۔ تب ہی وہ ناروے جانے کے لیے از حد خوش دکھائی دے رہی تھی۔

اس روز اتوار تھا اور پیر کو انہیں ناروے کے لیے فلائی کر جانا تھا لہٰذا وہ شجاع کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر زندگی میں آخری بار سفیر علی خان سے ملنے کے لیے چلی آئی تا کہ وقتِ رخصت وہ اسے ہنسی خوشی اپنی زندگی بسر کرنے کی تنبیہ کرسکے اور اس کی بے پروائیوں پر اسے خوب ڈانٹ سکے۔

سو گیٹ پر چوکیدار سے سفیر علی خان کی گھر موجودگی کے بارے میں جان کر وہ سیدھی اس کے بیڈ روم میں چلی آئی کہ سفیر گھر پر اپنا زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارتا تھا اور آج کل تو ویسے بھی اس کی طبیعت خراب تھی لیکن وہ اس وقت بے حد حیران رہ گئی جب وہ اپنے کمرے میں بھی موجود نہیں تھا۔ خالی لان' خالی راہداری' خالی لاؤنج اور اب خالی اس کا کمرہ بھی' اس کا منہ چڑا رہے تھے جب کہ چوکیدار اس کی گھر موجودگی کا بتا رہا تھا۔

بے حد حیرانی کے عالم میں وہ واپسی کے لیے پلٹی تھی اور پھر جیسے وہیں پتھر کی ہوگئی۔ پھٹی پھٹی نگاہوں کے ساتھ کس قدر بے یقینی کے عالم میں وہ ٹیبل پر پڑی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی جو اس کے ڈیڈ نے خود اپنے ہاتھوں سے ہمدانی ہاؤس کے لان میں اس کے کھل کھلاتے ہوئے پوز میں کھینچی تھی۔ بعد میں وہ پوری ریل دھلوانے کے لیے سفیر علی خان کے سپرد کردی تھی اور اس نے اگلے ہی روز دھلوا کر پورا البم ایمان کے سپرد کردیا تھا۔

اور اس البم میں اپنے نیگیٹو کے ساتھ آج بھی یہ تصویر جوں کی توں موجود تھی' تو پھر یہ یہاں کیسے پہنچ سکتی ہے؟ نہایت حیرانی کے عالم میں غائب دماغی کے ساتھ صرف ایک پل کے لیے اس نے سوچا تھا اور پھر اگلے ہی پل جیسے ساری کتھا اس کی سمجھ میں آگئی۔ مارے غم و غصے کے وہ بری طرح سے کانپ اٹھی تھی کہ اسی پل سفیر نے اپنے کمرے کی دہلیز پر قدم رکھا اور وہ بپھری ہوئی شیرنی کی مانند شدید غصے کے عالم میں اس کی طرف بڑھی' پھر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ایک زبردست طمانچہ اس کے گال پر جڑتے ہوئے درشتگی سے بولی۔

"یہ سب کیا ہے مسٹر سفیر علی خان...... بولو' جواب دو...... تمہارے کمرے میں میری تصویر کا کیا کام؟ کیسے آئی میری تصویر یہاں...... مجھے بتاؤ گے تم......؟" حلق پھاڑ لہجے میں بھرپور شدت کے ساتھ وہ اس پر چلائی تھی جب کہ اپنے بائیں گال پر ہاتھ رکھے ہونق سے سفیر علی خان کا سر اپنے انتہائی قیمتی راز کے یوں افشا ہوجانے کے بعد آپ ہی آپ مجرمانہ انداز میں جھک گیا۔

"ذلیل' گھٹیا انسان' میرے ڈیڈ نے تمہیں اپنے گھر میں پناہ دی' تم پر رحم کھایا' اعتماد کیا' لیکن تم نے کیا کیا' ہاں...... تم نے ان ہی کی بیٹی کے ساتھ محبت کے خواب دیکھنے شروع کردیے۔ ارے میں بھی کہوں کہ تم ہر وقت میری تابعداری کا دم کیوں بھرتے رہتے تھے لیکن اب سمجھ میں آیا کہ وہ تمہاری عقیدت نہیں بلکہ غرض تھی' تم ہر وقت مجھے اپنے قریب دیکھنا چاہتے تھے' کتنی بے وقوف تھی میں' تمہاری شرافت سے دھوکہ کھا کر تمہارے اندر کا میلا پن' تمہاری گندی نیت' دیکھ ہی نہیں پائی میں اور ہمیشہ تمہیں اچھا ہی سمجھتی رہی لیکن پاگل تھی میں...... تم جیسے لاوارثوں کو ان کی اوقات میں ہی رکھنا چاہیے ورنہ انگلی کا سہارا پا کر سر پر چڑھ جاتے ہو تم لوگ......"

نہایت متنفر لہجے میں چلاتے ہوئے وہ سفاکی کی آخری حد کو بھی چھوگئی۔ مارے اشتعال کے اس کی چھوٹی سی ناک کی پھننگیں پھول گئی تھیں جب کہ چہرے کا رنگ سرخ ہوگیا تب ہی گم صم سے کھڑے سفیر علی خان کے لبوں پر دھرنا دیے بیٹھی' خاموشی کا قفل ٹوٹا اور اس نے صرف ایک نظر ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھا' پھر سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولا۔

"سوری۔"

"شٹ اپ...... تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے کوئی بھی تعلق رکھا جائے۔"

اس کے ایکسکیوز کہنے پر پھر سے چلا کر وہ اپنی ہی تصویر کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کے منہ پر مارتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوگئی جب کہ غم سے نڈھال سفیر علی خان تھکے تھکے سے انداز میں وہیں دہلیز پر بیٹھ کر ان بکھرے ہوئے کاغذی ٹکڑوں کو چننے لگا۔ دل کا درد حد سے سوا ہوگیا تھا جب کہ آنکھیں ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہی تھیں' اس رات اپنی معصوم محبت کا راز افشا ہوجانے پر ایمان ہمدانی کے نہایت سخت ری ایکشن نے اسے شدید ہرٹ کیا تھا۔ ذہن کے اندر اس کے نوکیلے لفظوں کی بازگشت سے جیسے تیز آندھیاں چل پڑی تھیں۔ اس کے دل کا ٹکڑا ٹکڑا لہولہان ہو کر رہ گیا تھا لیکن کوئی نہیں تھا جو اس کے آنسو چنتا اور اسے بکھرنے سے سمیٹ پاتا۔

کب یہ سوچا تھا اس نے کہ تقدیر ایک دن اسے یوں رسوا کردے گی۔ کب ایمان ہمدانی کو آنکھوں اور دل میں بسانے پر اس کا کوئی اختیار رہا تھا' نافرمان دل نے تو اس سلسلے میں اس کی ایک بھی نہیں سنی تھی اور وہ جو اسے کھودینے کے ڈر سے کبھی اس پر اپنی خاموش محبت کا راز افشا نہیں کر پایا تھا' آج اسی کے ہاتھوں کس قدر رسوا ہوگیا تھا۔ ایمان کی وہ تصویر جو ہمدانی صاحب نے اپنے کیمرے سے خود بنائی تھی اور جسے دھلوانے کے لیے اس کے سپرد کیا تھا' اس نے کیسے منہ زور محبت سے مجبور ہو کر اس کے دو پرنٹ نکلوا لیے تھے تا کہ جب بھی موقع ملے وہ جی بھر کر اس پیاری سی صورت کو دیکھ سکے۔ پھر اس کے سامنے تو وہ نگاہ بھی نہیں اٹھا سکتا تھا کہ کہیں وہ اس کی آنکھیں پڑھ نہ لے چنانچہ اس موقع کو گولڈن چانس سمجھتے ہوئے اس نے بے حد خوشی کے ساتھ وہ تمام تصویریں جو ایمان ہمدانی کی اس کی فیملی کے ساتھ تھیں' دھلوا کر اس کے حوالے کردیں تاہم وہ تصویر جو صرف ایمان کی تھی اور جس میں وہ خوب کھل کھلا کر ہنس بھی رہی تھی' وہ اس نے اپنے پاس محفوظ کرلی تھی اور آج تک اسی ایک تصویر نے اس کا ضبط قائم رکھا تھا۔ یہ تصویر اسے بے حد عزیز تھی' اس وقت بھی وہ تصویر کو ڈائری لکھنے کے بعد ٹیبل پر ہی بھول کر اوپر ٹیرس پر چلا آیا تھا کہ ایمان ہمدانی کی بے وقت اور اچانک آمد نے اسے ایک مرتبہ پھر عرش سے فرش پر لا پٹخا۔

اس پوری رات وہ جاگتا رہا تھا' ایک لمحے کے لیے بھی نیند آنکھوں کے قریب نہیں آئی تھی اور ٹھیک اسی رات ایمان ہمدانی اپنے شوہر شجاع آفندی کے ساتھ

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرزمینِ پاکستان سے اپنا ہر ناتا توڑ کر ناروے فلائی کر گئی۔ ناروے میں ایک بالکل مختلف زندگی اس کی منتظر تھی۔

♥♥♥♥

شجاع نے اسے اپنے جس دوست کے گھر ٹھہرایا تھا' وہ گھر تو بہت اچھا تھا پرسکون بھی تھا لیکن پھر بھی ایک عجیب سی بے کلی ہمہ وقت اس کا احاطہ کیے رہتی۔

وہ پاکستان اور پاکستان سے وابستہ ہر یاد کو فراموش کر دینا چاہتی تھی لیکن صد افسوس کہ جتنا وہ پاکستان میں بیتے دنوں کو بھلانے کی کوشش کرتی' اتنا ہی وہ لمحے عود عود کر اس کے تصورات میں چلے آتے۔

پھر شروع کے ایک دو دن تو شجاع نے اسے بھرپور کمپنی بھی دی تھی لیکن چند ہی روز کے بعد وہ بھی اپنی مصروفیات میں الجھ گیا اور یوں وہ اتنے خوب صورت ملک میں جیسے بالکل اکیلی ہو کر رہ گئی۔ ایسے لمحات میں اس کی شدید خواہش تھی کہ اس کے پیارے پیارے بچے ہوں' جن میں مصروف ہو کر وہ کسی یاد کو قریب پھٹکنے نہ دے لیکن افسوس کہ شجاع نے اس سلسلے میں اس کا ساتھ نہیں دیا تھا کیوں کہ وہ ابھی بچے افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ پہلے وہ اپنے ملک جا کر اچھی طرح سے سیٹل ہو جائے' پھر نئی ذمہ داریوں کو قبول کرے گا اور ایمان کے لیے بھلا اس کی کسی بھی بات سے انکار کہاں ممکن تھا۔ سو چپ چاپ اس کا یہ ستم بھی سر آنکھوں پر رکھ لیا۔

اس روز بہت عجیب سا واقعہ ہوا۔ وہ مسلسل گھر میں رہ کر شدید بوریت محسوس کر رہی تھی جب شجاع کی غیر موجودگی میں گھر لاکڈ کر کے وہ باہر روڈ پر نکل آئی۔ یہاں کے راستوں سے اسے تھوڑی بہت آشنائی تو ہو ہی چکی تھی لہٰذا بھٹکنے کا ڈر اب نہیں رہا تھا۔

تب ہی نجانے کتنی دیر تک وہ اکیلی یونہی چلتی رہی' سردی کا احساس اسے بری طرح سے کپکپا رہا تھا لیکن وہ جیسے خود سے ہی بے نیاز بنی چل رہی تھی جب ایک اسٹاپ پر اس نے شجاع ہمدانی کو دیکھا' ہنستے کھلکھلاتے ہوئے وہ ایک لاغر سی عورت اور ایک چھوٹے سے بچے کے ساتھ شاید کچھ خرید رہا تھا' اس وقت ایمان ہمدانی کا دل کیسے سناٹوں کی زد میں آیا تھا۔ یہ کرب صرف وہی عورت جان سکتی ہے کہ جو خود اس مرحلے سے گزری ہو۔

آنکھیں بن بادل برسات برس رہی تھیں۔ قدموں میں جیسے بالکل سکت ہی نہیں رہی تھی' تب ہی گھر واپسی کا راستہ اس نے پورے ایک گھنٹے میں طے کیا اور گھر آتے ہی بستر میں گھس کر سسک پڑی۔

جو منظر اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ اسے جھٹلا نہیں سکتی تھی لیکن شجاع آفندی کی محبت پر شک کرنا گویا خود پر شک کرنا تھا اس کے لیے۔ تب ہی اس نے اس شک کے ناگ کو کچل دیا اور اس عورت کو شجاع کی کوئی رشتہ دار جان کر بالآخر ذہن سے نکال دیا۔

اس روز اس واقعے کو جھٹلانے کی ہمت تو اس نے کر لی تھی لیکن اس کے اعصاب وہ منظر بھلا نہیں پائے تھے جس کی وجہ سے وہ تیز بخار میں مبتلا ہو گئی اور اسی حالت میں کب وہ نیند کی وادی میں پہنچ گئی' کچھ خبر نہ ہو سکی۔ اگلے روز صبح کو اس کی آنکھ کھلی تو شجاع اس کے قریب ہی بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا اور اخبار پڑھ رہا تھا جب کہ وہ ابھی تک حرارت محسوس کر رہی تھی' تب ہی اٹھ کر بیٹھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

''شجاع! آپ مجھے اپنے گھر والوں سے کب ملوائیں گے۔ بی لیو می' میں یہاں بہت تنہائی محسوس کر رہی ہوں۔'' وہ بات جو وہ پچھلے بہت سے دنوں سے اس سے کہہ رہی تھی' آج پھر سے زبان پر آ گئی جس پر شجاع نے اخبار سمیٹ کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھا پھر دونوں بازو گردن کے پیچھے باندھ کر نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔

''بس تھوڑا سا انتظار اور میری جان' پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہیں بھی تمہاری منزل مل جائے گی اور مجھے بھی' میرا مطلب ہے کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو پالیں گے...... پھر تمہیں بھری پری فیملی مل جائے گی اور

مجھے میری زندگی......"

"لیکن وہ دن کب آئے گا شجاع......؟" قدرے زچ ہوکر اس نے پوچھا تھا۔

"آئے گا میری جان! بہت جلد آئے گا۔"

شجاع کی آنکھوں میں عجیب سی مسرت ہلکورے لے رہی تھی تاہم ایمان نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا کر بند کرلیں کہ اب ایک اجنبی دیس میں تنہائیوں کے ساتھ انتظار کی صلیب پر لٹکتے لٹکتے بھی وہ تھکنے لگی تھی۔

وقت اپنی روٹین کے مطابق یونہی گزر رہا تھا اور وہ جیسے زندگی کو بے دلی سے گھسیٹ رہی تھی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ شجاع کی اندھی محبت کا جنون اس کے دل سے اتر رہا تھا' پچھلے کئی دنوں سے اس کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی تھی۔ ہلکا ہلکا سا ٹمپریچر جیسے ہڈیوں میں رچ گیا تھا۔ تھوڑا سا چل کر ہی بری طرح سے ہانپ جاتی' گھر میں کوئی کام بھی کرنے کو من نہیں چاہتا تھا' سونے پر سہاگہ کہ شجاع کو بھی اس پر توجہ دینے کی بالکل فرصت نہیں رہی تھی۔

دو' دو تین' تین دن وہ گھر سے باہر رہتا اور پیچھے وہ کڑھتی رہ جاتی لیکن اس کے باوجود وہ اس بندھن کو نبھانا چاہتی تھی کیوں کہ اس نے شجاع کو چاہا تھا' خدا سے رو رو کر مانگا تھا' تو پھر اب اس کی بے نیازی سے ہار مان کر کیسے گنوا دیتی اسے؟

اس روز موسم بے حد سہانا ہو رہا تھا' ٹھنڈی سرد ہوائیں موسم کو عجیب سا سرور عطا کر رہی تھیں تب ہی وہ گھر کو لاک کر کے کچھ شاپنگ کرنے کی غرض سے مارکیٹ چلی آئی اور ابھی سبزی وغیرہ ہی خریدی تھی کہ ٹپا ٹپ بارش شروع ہوگئی لہٰذا اسے باقی کی شاپنگ ملتوی کرتے ہوئے فوری طور پر ہی گھر واپس لوٹنا پڑا۔

سبزی کی بھاری ٹوکری اٹھا کر بیس' پچیس سیڑھیاں طے کرنے کے بعد جس وقت وہ زینے تک پہنچی' تھکن سے بے حال تھی اور اس سے پہلے کہ وہ پسینہ خشک کر کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولتی' اندر شجاع آفندی کی تیز آواز نے اس کے قدم وہیں جکڑ دیئے۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں ہو یار......؟ یہ سب میں اپنی بیوی' بچے اور گھر والوں کے لیے ہی تو کر رہا ہوں ورنہ اس ناٹک کو طویل تر کرنے کا مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے لیکن مجبوری ہے میں ابھی اس کی تمام پراپرٹی حاصل نہیں کر پایا ہوں اور پھر میں نے جو ڈائیورس پیپرز سائن کیے ہیں ابھی ان پر ایمان ہمدانی کے سائن نہیں لے سکا ہوں میں' تم لوگ پلیز مجھے تھوڑا سا وقت اور دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری پائی پائی ادا کر دوں گا۔"

الفاظ کیا تھے کوئی بم تھا' جو ایمان ہمدانی کے دل پر گرا تھا اور اندر کی ہر چیز کو ریزہ ریزہ کر گیا تھا۔ پاؤں تلے سے زمین نکلنا کسے کہتے ہیں' یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔ دھواں دھواں سی آنکھوں میں' بے یقینی کی راکھ اڑ رہی تھی اور وہ پتھر بنی وہیں زینے پر دو زانوں ہو کر بیٹھ گئی۔

چہرہ ایسے سفید ہوگیا تھا گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ عین اسی پل شجاع نے اپنے دوست کو رخصت کرنے کے لیے دروازہ کھولا تھا لیکن اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایمان ہمدانی مارکیٹ سے اتنی جلدی لوٹ آئے گی اور اس کا تمام راز جان بھی لے گی تب ہی اسے سو دولٹ کا جھٹکا لگا تھا اور وہ اپنے دوست کو جلدی سے رخصت کرنے کے بعد تیزی سے ایمان ہمدانی کی طرف بڑھا تھا۔

"ایمان! تم اتنی جلدی لوٹ آئیں......اور......یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ اندر چلو پلیز......" محبت کی چاشنی میں ڈوبا شہد آگیں لہجہ لیکن اب ایمان ہمدانی ایسے سحر میں ڈوبنے والی نہیں تھی' تب ہی خالی خالی سی پرشکوہ نگاہیں اسی متفکر چہرے پر جماتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

"تم نے مجھے دھوکہ کیوں دیا شجاع......؟ میں نے تو تم سے پیار کیا تھا' تم پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی آخری ایک سانس تمہیں دان کر دی تھی لیکن تم نے کیا کیا شجاع......؟ تم نے صرف میری دولت کے حصول کے لیے میری محبت کا تماشہ لگا دیا' کیوں......؟"

دکھ کی شدت سے چلاتے ہوئے وہ زخم زخم ہوگئی تھی
ب ہی بوکھلائے ہوئے شجاع آفندی نے گھبرا کر اردگرد
یکھا' صد شکر کہ قرب وجوار میں سبھی کمرے بند تھے' تب
وہ ایمان کو بازو سے پکڑ کر زبردستی اٹھاتے ہوئے بولا۔

''کم آن ایمان' تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی
ہے...... چلو اندر چلو......''

''شٹ اپ...... مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے' میں
نے سب کچھ اپنے کانوں سے سنا ہے اور کتنا جھوٹ بولو
گے شجاع اور کتنا فریب کرو گے میرے ساتھ......''
نہایت درشتگی سے کہتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے اپنا
بازو اس کی گرفت سے آزاد کروالیا۔

''او کے...... پلیز کول ڈاؤن...... تم اندر چلو' میں
تمہیں ساری بات بتا دیتا ہوں' پلیز......''

شجاع کے مفاہمتی لہجے پر زلزلوں کی زد میں چکراتی
ہوئی ایمان ہمدانی نے مشکوک نگاہوں سے اس کی طرف
دیکھا' پھر چپ چاپ اٹھ کر اندر کمرے میں چلی آئی کہ
اب اپنی بربادی کی داستان تو اسے سنی ہی تھی۔

''میں تمہیں کوئی دھوکہ دینا نہیں چاہتا تھا ایمان' اور نہ
ہی پاکستان سے ناروے شفٹ ہونے کے بعد تمہارے
متعلق کچھ جانتا تھا کیوں کہ ناروے کی چکا چوند زندگی
میں کھو کر مجھے کبھی پاکستان کے موسم یاد نہیں آئے' یہاں
کے سمندر کے کنارے ڈوبتے ہوئے سورج کا دلکش منظر
دیکھتے ہوئے میں نے کبھی تمہیں یاد نہیں کیا کیوں کہ میں
کسی سے پیار کرتا تھا' بچپن ہی سے' صرف اسی کے متعلق
سوچا تھا اور اسی کے لیے مما' پاپا کو مجبور کر کے ناروے لایا
کیوں کہ وہ یہیں رہتی ہے۔ میں اسے کتنا چاہتا ہوں' یہ تم
کبھی نہیں جان سکو گی اور اس کے لیے کسی کو دھوکہ دینا تو
کیا مجھے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی جان بھی لینی پڑے تو
میں انکار کا تصور نہ کروں' وہ میری ماموں زاد ہے ایمان'
پچھلے تین سال سے ہم ازدواجی رشتے میں بندھے ہیں'
ہمارا ایک پیارا سا بیٹا بھی ہے' جو ہم دونوں کو ہی بہت عزیز
ہے۔ بہت پرسکون زندگی تھی ہماری لیکن گزشتہ سال

سب کچھ الٹ پلٹ ہوگیا۔ میری محبوب بیگم جسے میں اپنی
جان سے بھی زیادہ پیار کرتا ہوں' وہ زندگی اور موت کے
دوراہے پر کھڑی ہے آج۔ ڈاکٹرز کے مطابق اسے
معدے کا کینسر ہے' جو ابھی خطرناک اسٹیج تک نہیں پہنچا
ہے لہٰذا میڈیکل ٹریٹ منٹ سے وہ صحت یاب ہوسکتی
ہے اسی لیے میں نے یہ کھیل رچایا کیوں کہ ڈیڈ جب تک
زندہ تھے' وہ خود ہی ثمن کا علاج کرواتے رہے لیکن ان کی
ڈیتھ کے بعد ہمارا بزنس بری طرح سے فیل ہوگیا اور
مختلف لوگ ان سے قرضہ لینے کے حق دار بن کر ہمارے
در پر چلے آئے یوں ہاتھ میں جتنا پیسہ تھا' وہ سب قرض
خواہوں کی نذر ہوگیا اور اس سب سچویشن سے ثمن کی
حالت مزید بگڑ گئی۔ میرے گھر والے بھوکوں مرنے لگے'
میرے بچے کو اسکول سے اٹھالیا گیا۔ میں نے اچھی
جاب کے لیے بہت اپلائی کیا مگر میری بدنصیبی کہ میرے
پاس کوئی تجربہ نہ ہونے کے باعث مجھے پرکشش جاب
نہیں مل سکی۔ زندگی کا دائرہ دن بدن مجھ پر تنگ ہوتا جارہا
تھا جب ایک دن مجھے احمد انکل سے مدد لینے کا خیال آیا
اور میں نے ایک دوست کے گھر سے انہیں فون کر ڈالا
لیکن احمد انکل کی جگہ توصیف انکل نے فون ریسیو کیا اور
میرے پوچھنے پر احمد انکل کی ڈیتھ اور تمہارے گھریلو
حالات تفصیلاً میرے گوش گزار دیئے تب اچانک ہی میں
نے سوچا کہ تم اپنے ڈیڈ کی اکلوتی اولاد ہو' سو اگر میں تم سے
شادی کرلوں تو ڈائریکٹ تمہاری ساری دولت میری
ہوجائے گی اور یوں میں اپنے گھر والوں کو زندگی دان
کرسکوں گا۔ بعد میں مناسب موقع پر تمہیں ساری سچائی
بتا کر تم سے معافی مانگ لوں گا لیکن تم نے تو بہت پہلے ہی
ساری حقیقت جان لی ایمان' سمجھ میں نہیں آتا کہ اب
میں کیا کروں......؟''

''واہ...... ویری انٹرسٹنگ مسٹر شجاع آفندی' کہانی تو
بہت دل چسپ سنائی آپ نے۔ لیکن صد افسوس کہ میں
آپ کی اصلیت جاننے کے بعد اب مزید آپ کے
ہاتھوں کٹھ پتلی نہیں بنوں گی۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تم اپنی محبت

کو بچانے کے لیے میرے جذبات سے کھیلو گے اور میں چپ چاپ تماشہ دیکھتی رہوں گی۔ نیور مسٹر شجاع آفندی! میں اپنے پاپا کی محنت سے کمائی ہوئی دولت کی ایک پائی بھی تمہیں چھیننے نہیں دوں گی۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم نیلے سمندروں کے مسافر ہو پانیوں سے کھیلتے ہو اور ہواؤں سے باتیں کرتے ہو لیکن میں غلط تھی کیوں کہ تم تو سراسر ایک سراب ہو محبت کا جھانسہ دے کر معصوم دلوں کو لوٹنے والے لٹیرے ہو تم' لہٰذا میں ابھی اور اسی وقت تمہاری زندگی سے نکل رہی ہوں......'' شجاع کی تفصیلی داستان پر نہایت طیش کے عالم میں اس نے کہا۔ پھر تھوڑی سی تلاش کے بعد ڈائیورس پیپرز ڈھونڈ کر ان پر اپنے سائن کر دیئے۔ ان پیپرز پر سائن کے دوران دل پر کیسے آرے چلے تھے' نازک انگلیاں کیسے کپکپائی تھیں' یہ صرف اس کا دل جانتا تھا' تاہم پیپرز کو سائن کرنے کے بعد وہ شجاع آفندی کی سمت پلٹی پھر درشت لہجے میں بولی۔

''یہ لیجئے مسٹر شجاع آفندی' میں نے آپ کو اپنی اندھی محبت سے آزاد کیا' لیکن آپ نے جو میرے ساتھ کیا ہے ناں' اس کے لیے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی مسٹر شجاع آفندی' تم دیکھنا اب میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔''

چٹانوں جیسے سخت لہجے میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے وہ ابھی پلٹی ہی تھی کہ خاموش کھڑے شجاع آفندی نے مضبوطی سے اس کی کلائی تھام لی' پھر قدرے چیختے ہوئے بولا۔

''تم بات کو اتنا بڑھا کیوں رہی ہو؟ جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارے سارے پیسے واپس لوٹا دوں گا تو تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کر رہیں......؟''

''کیوں کہ تم اپنا بھروسہ خود کھو چکے ہو شجاع آفندی۔ اب مجھے پولیس میں تمہارے خلاف کمپلین کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا اور ہاں' میں آج ہی تمہارے گھر والوں کا سراغ لگا کر انہیں یہ ساری حقیقت بتا دوں گی' پھر میں دیکھوں گی کہ وہ اپنے فریبی بیٹے کا ساتھ دیتے ہیں یا ایک بے سہارا لڑکی کا......''

اس کے لہجے کی مضبوطی بتا رہی تھی کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہی ہے' اس پر کسی بھی حال میں عمل کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہے۔ تب ہی وہ ایک مرتبہ پھر گھٹی گھٹی سی آواز میں چلایا تھا۔

''تم ایسا کچھ بھی نہیں کرو گی' انڈر اسٹینڈ......''

''نو...... میں اپنے کہے پر عمل کر کے دکھاؤں گی تمہیں' ناؤ جسٹ ویٹ اینڈ واچ......''

درشتگی سے دو بدو کہنے کے ساتھ ہی اس نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی شجاع کی مضبوط گرفت سے آزاد کروائی تاہم اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے باہر نکلتی' مکمل طور پر بے بس سے شجاع آفندی نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا پھر اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے آناً فاناً ہی نازک سی ایمان ہمدانی کو قریبی بیڈ پر دھکیل دیا۔ ارادہ اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کا تھا لیکن خدا کو شاید ابھی اس کی زندگی منظور تھی' سو اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور شجاع چونک کر پلٹ گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب بری طرح سے ہانپتے ہوئے ایمان ہمدانی نے اپنی ناہموار سانسیں درست کیں اور اگلے ہی پل موقع سے فائدہ اٹھا کر شجاع کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اس نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔ اس وقت نہ تو اسے دوپٹے کا ہوش تھا نہ اپنی دولت کی کوئی پروا' فکر تھی تو صرف اور صرف اپنی جان کی' جسے وہ ایک بے وفا کے ہاتھوں ہرگز گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

دروازے پر کھڑے شجاع کے دوستوں نے اسے پکڑنے کی بجائے حیرانی سے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا پھر جب شجاع نے چلا کر ان سے ''کم آن موو' پکڑو اسے......'' کہا تو وہ دونوں بھی شجاع کے ساتھ اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔

کبھی کبھی زندگی کی حفاظت بھی کس قدر دشوار ہو جاتی ہے۔ اس کا تجربہ اسے آج ہوا تھا' گو تھکن سے برا حال تھا' سانس پھولی ہوئی تھی' پاؤں میں دو قدم کا فاصلہ طے

کرنے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی لیکن وہ زندگی بچانے کے لیے سرپٹ بھاگ رہی تھی۔

کوئی نہیں تھا جو اس اجنبی دیس میں اسے سہارا دیتا' اسے سنبھالتا' ان بے درد لٹیروں سے محفوظ رکھتا' ماسوائے خدا کی پاک اور بابرکت ذات کے' جس کی مدد کے سہارے وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔

بھاگتے بھاگتے اس کا سانس بری طرح سے پھول گیا۔ ایک پاؤں سے تو خون بھی نکل پڑا تھا' تب اچانک ہی اس کی نگاہ سامنے لوگوں کے ہجوم پر پڑی جو غالباً کسی میوزک ہال کے باہر کھڑے ٹکٹ خرید رہے تھے۔ ایمان نے جو ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھا تو گویا اپنی جگہ پر گم صم ہو گئی کیوں کہ میوزک ہال سے باہر بڑے بڑے بینرز پر لکھا ہوا نام یقیناً سفیر علی خان کا ہی تھا۔

ایک پل کے لیے تو وہ ٹھٹک گئی' رگوں میں نئے سرے سے زندگی کا احساس دوڑنے لگا۔ سفیر علی خان کی وہاں موجودگی اسے نعمت خداوندی لگی۔ اجنبیوں کی بھیڑ میں کسی ایک اپنے کا احساس اسے حوصلہ تھما گیا لیکن اگلے ہی پل جب اسے سفیر علی خان سے کیے گئے اپنے سلوک کے متعلق یاد آئی تو اس کی امید کا تار ٹوٹ گیا۔ آنکھوں میں آپ ہی آپ ڈھیروں آنسو بھر آئے' اسی پل اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا شجاع اور اس کے دوست تا حال اسے ڈھونڈ رہے تھے' تب سب کچھ بھلاتے ہوئے وہ لوگوں کے ہجوم میں دھکے کھاتی' گیٹ تک پہنچی' جہاں دو شخص ڈیوٹی پر کھڑے ٹکٹ جمع کر رہے تھے۔ وہ کوئی راہ نہ پا کر بے بسی کے عالم میں انہی کی منت کرنے لگی۔

''دیکھیے پلیز مجھے اندر جانے دیجئے' مجھے سفیر علی خان سے ملنا ہے' بہت ارجنٹلی' پلیز مجھے اندر جانے دیجئے۔''

''لائیے ٹکٹ......'' اس کی منت سے متاثر ہو کر ایک شخص نے مصروف انداز میں کہا تاہم وہ اس کی ڈیمانڈ پر گم صم سی ہو گئی۔

''ٹ...... ٹکٹ نہیں ہے میرے پاس۔'' پھنسی پھنسی سی آواز میں اس نے کہا۔

''ٹکٹ نہیں ہے تو یہاں لینے کیا آئی ہو' چلو پیچھے......'' ان دونوں میں سے ہی ایک آدمی نے غصے سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے کرختگی سے کہا تو وہ رو پڑی۔

''مم...... مجھے سفیر علی خان سے ملنا ہے' مم...... میں انہیں قریب سے جانتی ہوں' دیکھیے میری زندگی اس وقت خطرے میں ہے' اس لیے پلیز مجھے ان سے مل لینے دیجئے' پلیز......''

اس کی عاجزانہ ریکویسٹ پر جہاں سامنے کھڑے وہ دونوں اشخاص بے ساختگی سے ہنس پڑے تھے' وہیں کچھ اور لوگ بھی دل چسپی سے اس کا تماشہ دیکھنے لگے۔

''یار یہ تو کوئی بہت بڑی فین لگتی ہے سیف صاحب کی' دیکھو کیسے رو رہی ہے لیکن بی بی آپ کو شاید معلوم نہیں کہ سفیر علی صاحب کوئی معمولی ہستی نہیں ہے' جن سے ہر ایرا غیرا بلا روک ٹوک مل سکے' ان کا آج ناروے میں پہلا کامیاب شو ہے اور اس شو کی ٹکٹ پانچ ہزار روپے ہے' سمجھیں آپ......''

گیٹ پر الرٹ کھڑے اس شخص نے ظرافت کے انداز میں اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے پھر اسے ضروری معلومات بہم پہنچائیں تو وہ بے حد پریشانی کے انداز میں ان دونوں کی طرف ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔ لوگ جوق در جوق اپنے ٹکٹ کنفرم کروا کے ہال کے اندر جا رہے تھے اور وہ باہر کھڑی سوکھے پتے کی مانند کانپ رہی تھی۔

''مم...... مگر میرے پاس تو اس وقت ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔'' نہایت متوحش سی ہو کر اس نے پھر سے وضاحت دی تھی' جس پر اس کے قریب کھڑے سبھی لوگ بے ساختگی سے ہنس پڑے۔

''بی بی اگر ایک روپیہ بھی پاس نہیں ہے تو یہاں سے چلتی پھرتی نظر آؤ' خواہ مخواہ میں وقت برباد مت کرو ہمارا۔'' گیٹ پر موجود شخص نے پھر خاصے کرخت انداز میں کہا تو وہ سچ مچ گڑبڑا کر رہ گئی۔ اسی پل اس کی نگاہ اپنے گلے میں پڑی چین پر گئی تو اس نے فوراً وہ چین اتار کر اس

شخص کے حوالے کردی پھر التجائیہ لہجے میں بولی۔

''میرا سفیر علی خان سے ملنا بہت ضروری ہے' پلیز......اب تو مجھے ان کے پاس جانے دیجیے۔''

''بالکل جانے دیں گے لیکن کیا ہے کہ آپ کی یہ چین کچھ زیادہ وزنی نہیں ہے اس لیے یہ دونوں انگوٹھیاں بھی دے دیجیے' تب ہی کوئی بات بن سکے گی۔''

اس کی دیوانگی دیکھ کر وہ دونوں شخص بہت ہوشیار ہوگئے تھے تب ہی اس کی ہزاروں مالیت کی وزنی چین کے ساتھ ساتھ اس کی دونوں رینگز بھی ہتھیالیں' پھر اس سے پہلے کہ وہ اسے ٹکٹ کاٹ کردیتے' شجاع اور اس کے دونوں دوست وہاں پہنچ گئے اور اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

''اوامی تم یہاں ہو اور ہم نے تمہیں ڈھونڈنے کے لیے پورا شہر چھان مارا' کم آن چلو گھر تمہاری دوا کا وقت ہوگیا ہے۔''

اس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے شجاع بلند آواز میں بولا تو لوگوں نے کسی قدر حیرانی کے عالم میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''سوری فرینڈز......ایکچو لی میری وائف تھوڑی سی ایب نارمل ہیں' ان پر کبھی کبھی پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں تو گھر سے بھاگ کر یونہی تماشہ کرتی ہیں' ونس اگین ویری سوری......''

شجاع کے الفاظ پر لوگوں نے ایمان کی حالت دیکھتے ہوئے فوراً یقین کرلیا جب کہ وہ چلا چلا کر سب کو اپنے نارمل ہونے کے متعلق بتاتی رہی' اپنی زندگی خطرے میں ہونے کی صدائیں دیتی رہی لیکن کسی نے اس کا یقین نہیں کیا اور شجاع اپنے ساتھیوں کی مدد سے اسے گھسیٹتے ہوئے دور لے گیا۔

پھر عین اسی پل کہ جب وہ چلا چلا کر سفیر علی خان کو پکار رہی تھی' وہ قطعی بے خبری کے عالم میں پروگرام ختم کرکے میوزک ہال سے باہر نکلا اور لوگوں کے جم غفیر میں پھنس کر رہ گیا۔ شور اور ہلچل اس قدر تھی کہ ایمان کی صدائیں اس کی سماعتوں تک نہ پہنچ سکیں اور وہ لمحہ بہ لمحہ دور ہوتے چلا چلا کر اسے پکارتی رہی' یہاں تک کہ اس نے اسے خود ہی لوگوں کے درمیان گھرے ہوئے دیکھ لیا' تب یکا یک اپنی ساری قوت جمع کرکے اس نے اپنے آپ کو شجاع کی مضبوط گرفت سے آزاد کروایا اور اندھا دھند بھاگتی ہوئی لوگوں کے ہجوم تک پہنچ گئی۔

حلق سے اب بھی صرف سفیر علی خان کا ہی نام نکل رہا تھا لیکن لوگ اسے آگے آنے نہیں دے رہے تھے' پھر اس سے پہلے کہ شجاع اور اس کے ساتھی اس تک پہنچ کر اسے دوبارہ اپنی گرفت میں لیتے' لوگوں کے ہجوم میں گھرے خوبرو سے سفیر علی خان تک اچانک ہی ایمان کی پکار پہنچی اور وہ چونک کر اس کی سمت دیکھتے ہوئے پھر لوگوں کے ہجوم کو پیچھے دھکیلتا اس کی سمت دوڑ پڑا۔

ادھر ایمان اسے اپنی طرف متوجہ پاکر لہولہان پاؤں کے ساتھ اس کی سمت لپکی اور جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچا وہ اس کے قدموں میں گر پڑی' پھر اس کی ٹانگوں سے لپٹے ہوئے سسک کر بولی۔

''سیفی......سیفی میری مدد کرو وہ......وہ لوگ مجھے مار دیں گے......پ......پلیز مجھے بچالو......''

وہ جو اسے اپنے سامنے اپنا نام پکارتے پاکر ہی بے حد حیران ہو رہا تھا' اب اس کے الفاظ پر اور بھی شاکڈ رہ گیا۔ تب ہی فوراً زمین پر گھٹنے ٹیکتے ہوئے وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا' پھر اپنے ہاتھوں سے اس کے بکھرتے آنسو پونچھ کر اسے نہایت بے قراری سے اپنی بانہوں میں چھپالیا۔ لوگوں کی پھٹی پھٹی حیران نگاہیں ایک شہرۂ آفاق سنگر کو ایک معمولی سی پاگل لڑکی پر اس قدر مہربان دیکھ کر ساکت رہ گئیں جب کہ شجاع اور اس کے ساتھی اسے سفیر علی خان کی مضبوط پناہ میں دیکھ کر الٹے پاؤں واپس بھاگ گئے۔

شدید بارش کے بعد ٹھنڈی سرد ہوائیں جسم میں عجیب سی کپکپی دوڑا رہی تھیں تب ہی وہ اس کے نڈھال وجود کو سنبھالے اپنا گرم کوٹ اس پر اچھی طرح سے لپیٹتے ہوئے اسے اپنی گاڑی تک لے آیا اور اگلے ہی پل ڈرائیور کو گاڑی ہوسپٹل کی طرف لے جانے کا حکم دے دیا جہاں ایمان کے ضروری ٹیسٹ کرنے کے بعد ڈاکٹرز نے انکشاف کیا کہ ایمان ہمدانی کو ہر روز کسی نہ کسی چیز میں معمولی پوائزن دیا جاتا رہا ہے جس کی وجہ سے اس کا معدہ بری طرح سے متاثر ہوا ہے۔ اگر حالات اسی طرح سے جاری رہتے تو عین ممکن تھا کہ وہ اگلے پندرہ بیس دنوں میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی کیوں کہ کھانے کا زہر ہر گزرتے دن کے ساتھ مقدار بڑھا کر اسے کھلایا جاتا رہا تھا۔

ڈاکٹرز کا یہ انکشاف جہاں ایمان ہمدانی کے لیے شدید اچنبھے کا باعث تھا' وہیں سنجیدہ سے سفیر علی خان کا دل دکھ سے کٹ کر رہ گیا۔ وہ تو ایمان کے کانٹا چبھنا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا' کجا کہ وہ پچھلے کئی دنوں سے زہر کھا رہی تھی۔

لوگ شاید سچ ہی کہتے ہیں کہ زندگی میں پیار ہمیشہ انہی لوگوں سے کرنا چاہیے جو آپ کو چاہتے ہیں۔ دلوں کے یہ بندھن ان لوگوں سے کبھی نہیں باندھنے چاہئیں کہ جن کو شخص آپ چاہتے ہیں کیوں کہ بعض اوقات ہماری ہی اندھی خواہشیں ایک طمانچے کی مانند ہمارے منہ پر لگتی ہیں اور ہم ان لوگوں کے انتظار میں کہ جن کو ہماری پرواہی نہیں ہوتی' کھڑے کھڑے پتھر کے ہوجاتے ہیں اور چاہتوں کے حسین موسم گزر جاتے ہیں' مسکراہٹوں کی بیل پر پھر آس کا کوئی ایک پھول بھی نہیں کھلتا اور ہمارے ہاتھ سے گزرتا وقت ہمارے چاہنے والوں کی پرخلوص نسبتیں بھی چھین کر لے جاتا ہے۔

وہ بھی اسی حال میں بے بس' جب تین دن مسلسل بے ہوش رہنے کے بعد ہوش میں واپس آئی تو بے حد گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا لیکن خوب صورتی سے سجے ہوئے پرسکون کمرے میں کہیں بھی شجاع یا اس کے دوست نہیں تھے تب ہی اس نے پرسکون ہوکر سر واپس تکیے پر رکھ لیا' پھر ذرا کی ذرا جو اپنے بائیں طرف نگاہ کی تو بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر فکرمند سے سفیر علی خان کو آنکھیں موندے نیند میں ڈوبا پایا' کمرے میں سردی کا احساس حد سے سوا تھا اور وہ کسی بھی قسم کی شال سے بے نیاز پینٹ شرٹ میں ملبوس کرسی پر بیٹھا سو رہا تھا۔

بند غلافی آنکھیں پیشانی پر بکھرے ریشمی بال' ہونٹوں پر جمی خشکی اور سلوٹوں بھری پینٹ' اس بات کی چغلی کھا رہی تھیں کہ وہ اس کے لیے بہت پریشان رہا ہے۔ تب ہی ایک عجیب سا درد اس کے دل کو تڑپا گیا اور وہ پلکیں موند کر سسک پڑی۔ سفیر علی خان کی دیوانگی بھی اس سے مخفی نہیں رہی تھی لیکن وہ جان کر بھی کبھی اس کے جذبات کو حقیقت نہ سمجھ سکی پھر جب وہ نیند سے جاگا تو ایمان کو ہوش میں دیکھ کر ایک دم سے اس کا کملایا ہوا چہرہ کھل اٹھا۔

''اب کیسی ہیں آپ؟''

لبوں پر دھیمی سی مسکان پھیلا کر اس نے نہایت اپنائیت کے انداز میں پوچھا تھا۔ جواب میں ایمان کی پلکوں پر اٹکے آنسو ٹوٹ کر گالوں پر بہہ نکلے اور وہ سر کو ہلکی سی جنبش دے کر قدرے بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''مجھے معاف کردو سیفی' میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا۔ تمہارے جذبات کو غلط سمجھا۔ اپنی سراب محبت کے پیچھے بھاگتے بھاگتے میں نے تمہاری محبت کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا اور تمہارا دل دکھایا' پلیز مجھے معاف کردو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ایمان جی......؟ میں نے تو کبھی آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانا' کبھی یہ نہیں سوچا کہ آپ نے میرے ساتھ کچھ غلط کیا ہے' ہاں آپ کی سرد مہری اور لاپروائی نے مجھے ہر پل بے کل کیا' آپ کے ایک ایک آنسو نے میرے جگر کو تکلیف پہنچائی لیکن آپ اپنے عمل میں درست تھیں اور میں اپنے عالم میں...... پتہ ہے ایمان جی' اس دنیا میں چھوٹا یا بڑا کوئی بھی نہیں ہوتا' ہر انسان قابل تحسین ہے' اگر اسے تھوڑا سا پیار' تھوڑی سی اپنائیت اور تھوڑا سا ساتھ ملے' بہرحال میں نے کبھی آپ

سے کسی غرض کے تحت محبت نہیں کی اور نہ ہی کبھی یہ سوچا ہے کہ آپ بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کریں کہ جتنی محبت میں آپ سے کرتا ہوں بلکہ میں نے جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہیں ہمیشہ آپ کی سلامتی، صحت مندی اور دائمی خوشیوں کی بھیک ہی مانگی ہے۔"

"ت......تم بہت عظیم ہو سیفی، لیکن میں، کبھی اتنی عظیم نہیں رہی۔ میں نے ہمیشہ چھوٹے پن کا مظاہرہ کیا، ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ کر شعلوں کو ہاتھ میں لے بیٹھی میں اور آج دیکھ لو ان شعلوں نے جلا کر مجھے راکھ کر دیا۔" آنسو ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھوں سے بہ نکلے، تب ہی سفیر علی خان نے لب بھینچ کر نگاہ اس کے چہرے سے ہٹالی۔

"فارگاڈ سیک ایمان......اب اس رونے سے کچھ حاصل نہیں، تاہم شجاع آفندی کو میں نے اس کے کیے کی سزا دلوا دی ہے اور اس کے پاس آپ کا جتنا بھی روپیہ محفوظ تھا وہ سب واپس آپ کے پاکستانی اکاؤنٹ میں ڈلیور کروا دیا ہے اب آپ کو کسی بھی بات کو لے کر پریشان یا خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں......"

قطعی بے غرض لہجے میں وہ کہہ رہا تھا اور ایمان کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر اظہار تشکر سے چھلک پڑیں۔

"تھینک یو سیفی، تھینک یو سو مچ۔ اب پلیز مجھ پر ایک آخری احسان اور کر دو، مجھے فوراً پاکستان پہنچا دو، پلیز......"

"او کے......لیکن اب آپ قطعی آنسو نہیں بہائیں گی۔"

"ہاں سیفی، میں نے زندگی سے ہمیشہ آنسو ہی کشید کیے ہیں، ہنستی مسکراتی اس زندگی میں ادھیڑ ادھیڑ کر غموں کو ہی کھوجا ہے، میں نے کبھی مسکرانا تو سیکھا ہی نہیں لیکن اب میں مسکراؤں گی سیفی، اپنے اکیلے پن پر، اپنی تنہائیوں پر، اپنی نادانیوں پر اور اپنے گھر کے سونے در و دیوار پر۔"

"نہیں ایمان، اب آپ خدا کی ذات سے مایوس نہیں ہوں گی، ویسے بھی رمضان المبارک کی مقدس ساعتیں قریب ہیں، آپ کو اس مقدس ماہ میں اللہ بزرگ و برتر کے حضور سر بسجود ہو کر رمضان المبارک کو پورے خضوع و خشوع کے ساتھ خوش آمدید کہنا ہے اور پھر ہمیشہ کی طرح ہنستے مسکراتے ہمدانی ہاؤس کے خوب صورت در و دیوار میں عیدالفطر کی خوشیوں کو سیلبریٹ کرنا ہے......اور اس کے بعد میری ہونے والی خوب صورت وائف سے مل کر میرے انتخاب پر ریمارکس دینے ہیں۔" وہ قطعی فریش لہجے میں کہہ رہا تھا جبکہ ہونق سی ایمان ہمدانی چونک کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے اس کی بات پر سماعتوں کو یقین ہی نہ آیا ہو، دل میں نجانے کیوں درد کی ایک ٹیس سی اٹھی اور وہ نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔

❤❤❤❤

پھر وہ لوگ پاکستان واپس پہنچ گئے، اپنے وطن کی خوب صورت فضاؤں میں گھلی مسرور سی خوشبو نے اسے بے تاب کر دیا اور وہ پیاسی نگاہوں سے ہزاروں بار دیکھے مناظر کو بغور دیکھتے ہوئے پھر سے رو پڑی۔ ارد گرد مقدس ماہ کی پورے جوش و خروش کے ساتھ تیاریاں ہو رہی تھیں، بازاروں کو دلہنوں کی طرح سجا دیا گیا تھا، روشن قمقموں نے دکانوں کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیئے تھے اور وہ ایک ایک منظر کو دیکھ کر مسرت سے بے حال ہو رہی تھی۔ سفیر علی خان نے فوری طور پر اسے ہمدانی ہاؤس بھیجنے کی بجائے اپنے بنگلے میں ہی ایک کمرہ دے دیا۔ پورے دن وہ اپنی مصروفیات میں الجھا رہتا، پھر رات کو بہت دیر سے گھر واپس لوٹتا تو ایمان نماز تراویح پڑھنے کے بعد سو چکی ہوتی، وہ کبھی روزے نہیں رکھتا تھا لیکن ایمان کو دیکھ کر رکھنے لگا پھر ایمان نے ہی اسے نماز باقاعدگی سے پڑھنے کی عادت ڈلوائی اور مسجد میں نمازِ تراویح پر بھی اس نے ہی اصرار کیا تھا۔ نتیجتاً اب وہ پانچ ٹائم کی نماز وقت پر ادا کر رہا تھا اور اس پر بے پناہ خوش بھی تھا۔

پہلے وہ سحری کے وقت اس کے ملازم کے ہاتھ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگانے کے باوجود بھی روزہ رکھنے کے لیے نہیں اٹھتا تھا اور سو بہانے بنا کر سویا رہتا لیکن اب وہ اس کے کچن سے نکلنے سے پہلے ہی اٹھ کر کچن میں چلا آتا اور ایمان کے ساتھ سحری کھا کر روزے کی نیت باندھتا۔

زندگی ایک دم سے بہت پرسکون ہو گئی تھی جب ایک روز سفیر علی خان نے اس کے دل میں پھر سے ہلچل مچا دی۔ سفیر نے اسے بتایا کہ وہ عین عید کے دن اپنی ہونے والی بیگم کو اس سے ملوانے کے لیے لا رہا ہے اور اس کے انہی الفاظ نے اسے بے کل کر دیا تھا۔ عید میں فقط دو ہی تو دن رہ گئے تھے اور وہ پورے دن بے اختیار ہی بات بے بات روتی رہی اور سجدے میں جا کر خدا سے اپنے دل کے سکون اور صبر کی دعائیں مانگتی رہی۔ اس پورے دن اس نے بے ارادہ ہی سفیر علی خان سے بھی کوئی بات نہیں کی اور لبوں پر چپ کا قفل لگائے رکھا، پھر چاند رات کو وہ زبردستی ہی اسے عید کی شاپنگ کے لیے لے گیا اور خوب شاپنگ کروائی۔ عیدالفطر کا پررونق دن بھی اپنی تمام تر دلکشیوں کے ساتھ طلوع ہوا لیکن وہ پورے دن اداس رہی اور پھر نماز عید کے بعد جب سفیر نے اسے زبردستی تیار ہونے پر مجبور کیا تو وہ رو ہی تو پڑی، تب ہی سفیر نے اس کی سرخ آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر فریش لہجے میں کہا۔

"یہ کیا ایمان جی، آپ ایسے موڈ کے ساتھ میری بیگم سے ملیں گی تو وہ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گی۔ پلیز تھوڑا سا تو فریش ہو جائیں اور ہاں، میری ہونے والی بیگم میری پہلی محبت، یعنی کہ ایمان ہمدانی کی مانند کھلتا ہوا گلاب تو نہیں ہے لیکن وہ میری زندگی ہے ایمان جی، اس لیے وہ اگر آپ کو اچھی نہ بھی لگے تو پلیز اس کا اظہار مت کیجئے گا۔"

وہ اس کے ضبط کا مسلسل امتحان لیتے ہوئے اسے ذہنی طور پر ٹارچر کر رہا تھا جب کہ ایمان چاہے جانے کا فخر کسی اور کی جھولی میں گرتے دیکھ کر دکھ سے کٹ رہی تھی پھر جس وقت وہ مکمل تیار ہو گئی تو اس کے حسین سراپے کو پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ اس کا نازک سا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر لے آیا اور اس سے پہلے کہ وہ ضبط کھو کر رو پڑتی، وہ اسے ٹی وی لاؤنج سے ہوتے ہوئے اپنی پرسنل لائبریری میں لے آیا جہاں جگہ جگہ صرف ایمان کی ہی تصویریں پینٹ کر کے لگائی ہوئی تھیں۔ کہیں کھل کھلاتے ہوئے تو کہیں آنسو بہاتے ہوئے، ہر تصویر اتنی خوب صورت تھی کہ وہ حیرانی سے دیکھتے ہوئے شاکڈ رہ گئی۔

"سیفی......یہ......یہ سب کیا ہے......؟" قطعی گم صم سے لہجے میں اس نے کہا تھا، جواب میں بے پناہ خوش سفیر علی خان دھیمے سے مسکرا اٹھا۔

"یہی میری ہونے والی وائف ہیں ایمان جی، اسی کی آنکھوں میں دیکھ کر میں اپنے زندہ ہونے کا احساس پاتا ہوں۔"

"ت......تم نے جان بوجھ کر مجھے ستایا، دھوکے باز بے ایمان......" سفید کملایا ہوا چہرہ پل میں رنگین ہو گیا جب کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اپنا پیار بھی تو آزمانا تھا ناں ایمان، وگرنہ آپ بھلا مجھے کہاں لفٹ دینے والی تھیں۔" روشن آنکھوں میں اس کا حسین سراپا بھرتے ہوئے وہ متبسم لہجے میں بولا تو ایمان گھور کر خفگی سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے پھر اسی کے کندھے سے لگ کر رو پڑی کہ خدا کی پاک ذات نے واقعی اس عید کو اس کے لیے یادگار اور انعام بنا دیا تھا جب کہ مسرور سے سفیر علی خان نے مکمل استحقاق سے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا کہ اب سچی خوشیاں واقعی اس سے بہت دور نہیں تھیں۔

❖